انتخاب

فسانۂ عجائب

مرتبۂ

ڈاکٹر قمر جہاں

اتر پردیش اردو اکادمی

لکھنؤ

سلسلہ مطبوعات: ۴۴۰

انتخاب

فسانۂ عجائب

رجب علی بیگ سرورؔ

مُرتّبہ

ڈاکٹر قمر جہاں

اتر پردیش اردو اکادمی

لکھنؤ

© اتر پردیش اردو اکادمی

انتخاب فسانۂ عجائب

ڈاکٹر قمر جہاں

دوسرا ایڈیشن.....۲۰۰۳ء

تعداد.....۱۰۰۰

قیمت.....ستائیس روپے

محمد نجم الحسن، سکریٹری، اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرس ناردرن آفسیٹ پریس، ٹکیت رائے تالاب، موہان روڈ، لکھنؤ سے چھپوا کر اکادمی کے دفتر وبھوتی کھنڈ، گومتی نگر، لکھنؤ سے شائع کیا۔

پیش لفظ

اتر پردیش اردو اکادمی کے جملہ مقاصد میں ایک اہم مقصد معیاری علمی وادبی کتابوں کی اشاعت اور کلاسکی ادب کا تحفظ بھی ہے اور اپنے قیام سے اب تک اکادمی اپنے اس فرض کو بخوبی نباہتی چلی آرہی ہے۔ ابتدا سے کچھ عرصہ قبل تک اکادمی نے بہت ہی کم قیمت پر طلباء اور علم دوستوں کی ضرورت کے تحت معیاری کتب شائع کیں جن میں سے متعدد کتابیں تو ہاتھوں ہاتھ فروخت ہوگئیں اور ان کے کئی کئی ایڈیشن شائع کرنے پڑے۔

ادھر بڑھتی ہوئی قیمتوں کے پیش نظر اکادمی کو بھی اپنی مطبوعات کی قیمتوں میں مجبوراً اضافہ کرنا پڑا لیکن یہ اضافہ صرف لاگت کی حد تک ہی کیا گیا ہے۔ اس سے اکادمی کا مقصد نفع حاصل کرنا قطعی نہیں ہے۔

اکادمی نے اپنے آئندہ اشاعتی پروگرام میں جدید دور کے تقاضوں کا بھی خیال رکھا ہے اور کچھ نئے موضوعات پر بھی کتابیں شائع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔

فی الحال اکادمی اُنہی کتابوں کو اپنے اشاعتی پروگرام میں شامل کررہی ہے

جوطلباءاور عام قارئین میں زیادہ مقبول رہی ہیں۔

زیرنظر کتاب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے اور امید ہے کہ یہ بھی اردو دوستوں سے مقبولیت کی سند حاصل کرے گی۔

(حاجی) محمد اعظم قریشی

چیرمین

مجلس انتظامیہ

اتر پردیش اردو اکادمی

دسمبر ۲۰۰۳ء

مرزا رجب علی بیگ سرور

مرزا رجب علی بیگ سرور کا نام اردو ادب کے طلبا و اساتذہ کے لیے کسی تعارف کا محتاج نہیں وہ بالعموم باغ و بہار کے سلیس و رواں اسلوب والے میر امّن دہلوی کے حریف اور اردو میں لکھنؤ کی رنگین اور مسجّع و مقفّیٰ نثر کے ایک بڑے اور اہم علم بردار کی حیثیت سے معروف ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ایک سنجیدہ اور ادبی اسلوب کی حیثیت سے رنگین اور مقفّیٰ نثر کا دور ختم ہو چکا ہے اسی وجہ سے فسانۂ عجائب کی عوامی مقبولیت اور سرور کی شہرت میں خاصی کمی واقع ہوئی ہے، لیکن فسانۂ عجائب اردو کے کلاسیکی ادب کا ایک اہم تخلیقی نمونہ ہے اور اردو نثر کے تاریخی اور تدریجی ارتقا کی ایک ممتاز کڑی ہے۔ سرور اور ان کے فسانۂ عجائب کے بغیر اردو نثر اور افسانوی ادب کی تاریخ کا مطالعہ مکمل نہیں ہو سکتا۔

فسانۂ عجائب سرور کی پہلی تصنیف اور ان کا شاہ کار فن پارہ ہے اور یہی ان کی ادبی شہرت کا تمام تر باعث اور ضامن ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ فن کاروں کی شہرت کا باعث ان کا ایک ہی شاہ کار ہوتا ہے۔ اردو نثر نگاری میں ایک عرصے تک فسانۂ عجائب کا ڈنکا بجتا رہا اور اس کا اسلوب مشعل راہ کا کام دیتا رہا۔ سرور کے طرز نگارش کی پرستش ہوتی رہی۔

مرزا رجب علی بیگ سرور کے تفصیلی حالات معلوم نہیں۔ ان کی تصانیف سے ان کے حالات پر جو کچھ روشنی پڑتی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد کا نام مرزا اصغر علی بیگ تھا۔ قیاس ہے کہ سرور ۱۷۸۶ء/۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کی جائے پیدائش کے بارے میں بھی وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا، ان کی تعلیم و تربیت لکھنؤ میں ہوئی۔ رواجِ زمانہ کے مطابق فارسی اور عربی کی تعلیم انھوں نے حاصل کی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ خوش نویسی، سپہ گری، موسیقی، شاعری اور داستان گوئی وغیرہ میں بھی مہارت بہم پہنچائی تھی۔ شعر گوئی میں وہ مرزا نوازش حسین عرف مرزا خانی نوازش کے شاگرد تھے۔ رام بابو سکسینہ کے مطابق وہ خوش نویسی میں حافظ ابراہیم کے شاگرد تھے۔ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید کا ایک نسخہ مولانا آزاد لائبریری، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کتب خانے میں محفوظ ہے۔ سپہ گری کے بارے میں وہ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

"ہم بھی کبھی ڈھال تلوار باندھتے تھے اور وہ کام کرتے تھے جس میں صدہا مرتے تھے، ہاتھ منھ کٹتے تھے، بڑے بڑوں کے دل بیٹھتے تھے۔"

سرور کی شادی کان پور میں کسی خوش حال خاتون سے ہوئی تھی جس سے ان کی زندگی بہت دنوں تک عیش و عشرت اور خوش حالی میں بسر ہوئی۔ فسانۂ عجائب کے دیباچے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تماش بین اور زندہ دل شخص تھے اور اپنے زمانے کے لکھنؤ کی بھری پری زندگی میں خوب دادِ عیش دیتے رہتے تھے۔ خطوط سے معلوم ہوتا ہے کہ انھیں کسی قتل کے مقدمے میں بھی ملوث کیا گیا تھا۔ اپنے منھ بولے بیٹے محمد علی کو لکھتے ہیں:

"تمھیں یاد ہوگا کہ میں خون کے مقدمے میں ملوث تھا۔ ساری دنیا کہتی تھی کہ اس مخمصے سے بچ نہ سکوں گا، لیکن فضلِ ایزدی سے مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اب تک زندہ و سلامت ہوں۔"

اس زمانے میں کان پور نوابانِ اودھ کی عمل داری میں نہیں تھا۔ اودھ کے مجرمین بھاگ کر کان پور میں پناہ لیتے تھے اور حکومتِ اودھ کے معتوبین کو گنگا پار اُتار دیا جاتا تھا کہ کان پور ان کے لیے کالے پانی کی حیثیت رکھتا تھا۔ غالباً قتل کے اسی مقدمے کے سلسلے میں سرور کو بھی ربیع الثانی ۱۲۴۰ھ / نومبر، دسمبر ۱۸۲۴ء میں کان پور میں پناہ گزیں ہونا پڑا تھا۔ کان پور کے زمانۂ قیام میں خود سرور کے مطابق حکیم سید اسد علی کی عنایت و شفقت سے "طبعِ سوداخیز اور سرجنوں انگیز کو آرام و تسکین حاصل ہوئی" اور انھوں نے ۱۲۴۰ھ (۲۵-۱۸۲۴ء) میں فسانۂ عجائب لکھا۔

۱۲۴۳ھ / ۱۸۲۷ء میں غازی الدین حیدر کے انتقال پر نصیر الدین حیدر اودھ کے تخت پر بیٹھے۔ سرور نے فسانۂ عجائب کے دیباچے میں نصیر الدین حیدر کے ذکر کا اضافہ کیا اور کتاب ان کی خدمت میں بہ طور نذر بھیجی۔ غالباً اسی کے صلے میں سرور کی تقصیر معاف ہوئی اور انھیں لکھنؤ میں قیام کی اجازت مل گئی۔ ۱۲۵۳ھ / ۱۸۳۷ء میں محمد علی شاہ کے زمانے میں انھیں شرف الدولہ محمد ابراہیم نائبِ سلطنت کے توسط سے کوئی ملازمت بھی مل گئی۔ اسی زمانے میں فسانۂ عجائب کو ایسی شہرت ملی کہ اس کی قلمی نقلیں فراہم کرنا دشوار ہو گیا اور اس کی طباعت کا فیصلہ ہوا۔ ۱۲۵۹ھ / ۴۴-۱۸۴۳ء میں فسانۂ عجائب کی اشاعت سے انھیں ایک بہترین نثر نگار اور داستان گو کی حیثیت سے، لکھنؤ کے علمی اور ادبی حلقوں میں امتیاز و افتخار حاصل ہو گیا۔

سرور کا یہ زمانہ کامرانی اور شادمانی سے بسر ہو رہا تھا کہ ۵ ربیع الثانی ۱۲۵۸ھ / ۱۷ مئی ۱۸۴۲ء کو محمد علی شاہ کا انتقال ہو گیا۔ اب امجد علی شاہ تخت نشین ہوئے۔ شرف الدولہ خانہ نشین ہو گئے اور ان کے دوسرے متوسلین کی طرح سرور بھی ملازمت سے معزول ہو گئے۔ فسانۂ عبرت میں سرور نے امجد علی شاہ کے زما حکومت کو اودھ کی تاریخ کا تاریک ترین دور بنا کر پیش کیا ہے

اور طنز و تعریض کے خوب نشتر چلائے ہیں۔ ۲۶ صفر ۱۲۶۳ھ/۱۴ فروری ۱۸۴۷ء کو امجد علی شاہ کے انتقال پر واجد علی شاہ تخت نشین ہوئے۔ سرور نے نئے بادشاہ کی تخت نشینی پر اس قطعۂ تاریخ کے ساتھ ملازمت کے لیے عرض داشت پیش کی ؎

بہار جوش میں ہے اور نئی ہے کیفیت
سرور سب کو ہے کہتے ہیں متقی و رند
جو زیبِ تخت ہوا شب کو شاہِ نیک اختر
ہوا ہے سالِ جلوس اس لیے چراغ ہند

اس کے صلے میں وہ شاہی ملازمت میں داخل ہو گئے اور پچاس روپے تنخواہ ملنے لگی۔ ۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء میں واجد علی شاہ کے حکم سے انھوں نے توکل بیگ حسینی کے خلاصۂ شاہ نامہ فردوسی موسومہ 'شمشیر خانی' کو اردو میں ترجمہ کرنا شروع کیا اور دو ماہ میں 'سرورِ سلطانی' کے نام سے مکمل کر دیا۔

شاہی درباروں میں تنخواہوں کی بروقت تقسیم کا کوئی ضابطہ نہیں تھا چنانچہ سرور کو بھی مشاہرہ وقت پر نہیں ملتا تھا اور انھیں لگاتار معاشی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ مجبور ہو کر انھوں نے نئے سرپرستوں کی تلاش شروع کی۔ سندیلے کے ایک رئیس امجد علی خاں بلوچ نے ان کی مدد کی۔ ان کی فرمائش پر سرور نے مہر چند کھتری مہر کی داستان 'نوآئین ہندی' کو شگوفۂ محبت کے نام سے رنگین اور مسجع و مقفیٰ نثر میں لکھا۔ اسی زمانے میں کمسریٹ لکھنؤ کے سررشتہ دار منشی شیو نارائن بلہوری کی فرمائش پر الف لیلہ کی داستانیں 'شبستانِ سرور' کے نام سے رنگین نثر میں لکھنا شروع کیں۔

بنارس کے مہاراجا ایشری پرشاد نرائن سنگھ سے سرور کی ذاتی واقفیت تھی، اس لیے وہ تلاشِ معاش میں ۱۸۵۶ء کے اوائل میں بنارس پہنچے۔ وہیں ۷ فروری ۱۸۵۷ء کو حکومتِ اودھ کے انتزاع کی خبر وحشت اثر سنتے ہی وہ بدحواس ہو گئے اور مہاراجا بنارس سے ملے بغیر لکھنؤ چلے آئے۔ یہاں انھوں نے اپنی چڑھی ہوئی تنخواہ حاصل

کرنے کی کوشش کی، لیکن ناکام رہے۔ لکھنؤ میں انھیں کچھ دنوں کے لیے واجد علی شاہ کی بیگمات کی طرف سے خطوط نویسی کا کام مل گیا۔ کچھ عرصے بعد ۱۸۵۷ء میں غدر کا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اِس رستاخیز میں سرورؔ تقریباً سبھی سرپرستوں سے محروم ہو گئے۔ امجد علی خاں بلوچ، عالم باغ کے معرکے میں انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ شرف الدولہ نواب محمد ابراہیم خاں کو ہندستانیوں نے قتل کر دیا۔ مولوی محمد یعقوب فرنگی محلی مالک مطبع اس شورش سے بد دل ہو کر لکھنؤ سے کانپور چلے گئے۔ لکھنؤ کے سٹی مجسٹریٹ کے سررشتہ دار سید قربان علی جو سرورؔ کی مدد کرتے تھے، اپنے حاکم کے ساتھ بدعنوانیوں میں ملوث تھے، ان دونوں کو مستعفی ہو کر لکھنؤ چھوڑ دینا پڑا۔ کمسریٹ لکھنؤ کے سررشتہ دار منشی شیونارائن بلہوری کا تبادلہ ہو گیا اور وہ لکھنؤ سے چلے گئے۔ اس طرح سرورؔ بے یار و مددگار رہ گئے۔

سرورؔ کی مالی پریشانیوں سے آگاہ ہو کر بنارس کے مہاراجا ایشری پرشاد نرائن سنگھ بہادر نے شفقہ بھیج کر انھیں بنارس بلایا۔ چنانچہ وہ کان پور میں مختصر قیام کرتے ہوئے ۶ ذی الحجہ ۱۲۷۵ھ / ۸ جولائی ۱۸۵۹ء کو بنارس پہنچے۔ یہاں ان کے لیے سو روپے ماہوار تنخواہ مقرر ہوئی۔ بنارس کے قیام کے دوران انھوں نے مہاراجا بنارس کی فرمائش پر فارسی کی رمزیہ تالیف 'حدائق العشاق' کا ترجمہ 'گلزار سرورؔ' کے نام سے اردو میں کیا۔ جس پر مرزا غالبؔ نے تقریظ لکھی تھی۔ اس ترجمے پر سرورؔ کو راجا بنارس سے دو شالہ رومال بطورِ انعام ملا۔ قیامِ بنارس کا یہ زمانہ مقابلتاً ان کے اطمینان کا تھا۔ یہیں انھوں نے "شبستانِ سرورؔ" اور "فسانۂ عبرت" کی تکمیل کی۔

سرورؔ تقریباً پچھتر برس کی عمر میں بنارس آئے تھے۔ اس زمانے میں انھیں طرح طرح کی بیماریاں گھیرے رہتی تھیں۔ ذاتی مصائب کی یورشیں بھی تھیں۔ ۹ / ۲۰ صفر ۱۲۷۸ھ / ۲۵ / ۲۶ ستمبر ۱۸۶۱ء کی درمیانی شب میں ان کی اہلیہ داغِ مفارقت دے گئیں۔ اسی سال ان کے چھوٹے بھائی مرزا کلو بیگ نے بھی وفات پائی۔ انھی حالات میں تقریباً دس برس بنارس میں گزارنے کے بعد ذی الحجہ ۱۲۸۵ھ (۱۵ مارچ - ۱۳ اپریل

۱۸۶۹ء کے اواخر میں ان کا انتقال ہوا اور رام نگر میں دفن ہوئے۔ ان کے دوست اور معالج حکیم احسان علی خاں نے "فوت میرزا سرورِ حزیں" سے تاریخ وفات نکالی۔

فسانۂ عجائب

فسانۂ عجائب کا قصہ بہ ظاہر طبع زاد ہے، لیکن اس کے مختلف اجزا قدیم فارسی اور اردو داستانوں اور مثنویوں میں مل جاتے ہیں۔ محققین نے محمد بخش مہجور کی گلشنِ نوبہار، میر حسن کی مثنوی سحرالبیان، قصہ گل بکاولی، پدماوت، بہار دانش، گل وصنوبر، داستانِ امیر حمزہ، مصحفی کی مثنوی گلزار شہادت، کتھاسرت ساگر، سنگھاسن بتیسی اور آرائش محفل وغیرہ سے استفادے کی باتیں کہی ہیں۔ دیباچے میں فیض بخش کاکوروی کی تاریخ فرح بخش، میر حسن کی مثنوی گلزار ارم اور میر محمد حسین عطاخاں تحسین کی نوطرز مرصع کے دیباچے سے استفادہ کیا گیا ہے۔ بہ ہر حال ہر فن کار چراغ سے چراغ جلاتا ہے۔ سرور نے بھی اپنے تخلیقی جوہر اور فن کاری سے کام لے کر فسانۂ عجائب کے نام سے ایک ایسا چراغ جلایا ہے جو اردو کے داستانی اور نثری ادب میں ہمیشہ اپنی روشنی بکھیرتا رہے گا۔ فسانۂ عجائب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ پچھلے ڈیڑھ سو برس میں اس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ اس قصے پر مبنی ڈرامے لکھے گئے، مثنوی کی شکل میں اسے نظم کیا گیا اور ہندی زبان میں بھی اس کا ترجمہ ہوا۔ اگر اردو کی دس مشہور کلاسیکی کتابوں کا انتخاب کیا جائے تو ان میں "فسانۂ عجائب" یقیناً شامل ہوگی۔

اردو کی اکثر داستانیں اور مثنویاں مصنفین کے احباب کی فرمائشوں اور تقاضوں کی رہینِ منّت ہیں۔ فسانۂ عجائب بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ سرور نے اپنے کسی دوست کی فرمائش کی تعمیل میں دل بہلانے کے لیے اس کے چند کلمے گوش گزار کیے جو پسند کیے گئے تھے، بعد میں پوری داستان لکھی گئی۔

فسانۂ عجائب ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء میں لکھی گئی، سرور نے "نشتر ہے رگِ دل کا" سے

تاریخ نکالی۔ ان کے استاد نوازش نے بھی مندرجہ ذیل قطعہ تاریخ تصنیف کیا ہے

برائے خاطرِ یاران و احباب
سرور این قصہ را چوں کرد ایجاد
بہ جُستم سالِ تاریخش نوازش
فلک این "گلستانِ بے خزاں" داد ۱۲۴۰ھ

سرور کے ایک دوست لالہ درگا پرشاد بدہوش کے قطعہ تاریخ کا آخری شعر یہ ہے:

ہوئی جو مدہوش کو یہ خواہش کہ سالِ تاریخ اس کا لکھیے
تو کھینچ کر آہ دل سے نکلا "خزاں سے رنگِ بہار دیکھا"
۱۲۴۶ - ۶ = ۱۲۴۰

اگرچہ فسانۂ عجائب ۱۲۴۰ھ میں مکمل ہو چکا تھا لیکن رواج کے مطابق اس کا دیباچہ تکمیل کتاب کے بعد لکھا گیا اور مختلف شواہد سے معلوم ہوتا ہے کہ دیباچہ اور فسانہ دونوں میں وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ، حذف و اضافہ اور حک و اصلاح کا سلسلہ اگلے چالیس برس تک جاری رہا۔ سرور نے جن نسخوں پر نظر ثانی کی، اُن کی تفصیل اس طرح ہے:

اشاعتِ اوّل	مطبع میر حسن رضوی	۱۲۵۹ھ
پہلی نظر ثانی	" "	۱۲۶۳ھ
دوسری نظر ثانی	حاجی محمد حسین نے چھاپا	۱۲۶۷ھ
تیسری نظر ثانی	مولوی محمد یعقوب نے چھاپا	۱۲۷۶ھ
چوتھی اور آخری نظر ثانی	" "	۱۲۸۰ھ

صاحب "سروشِ سخن" سید فخر الدین حسین سخن دہلوی نے بار بار کی گئی اصلاحوں اور تبدیلیوں کے پیشِ نظر طنزاً لکھا ہے:

"سرور لکھنوی نے اٹھارہ مرتبہ فسانۂ عجائب کو درست کیا، جو فقرہ ذرا سست پایا اسے چست کیا، مگر غلطی نظر نہ آئی . . . .

کسی جگہ تانیث کو تذکیر لکھا ہے اور تذکیر کو تانیث باندھا ہے۔"

فسانۂ عجائب کا دیباچہ خاص اہمیت کا حامل ہے۔ جس میں لکھنؤ کی زندگی کی جو جیتی جاگتی اور ہنستی بولتی تصویر کھینچی ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور خاصے زندہ دل اور تماش بین قسم کے آدمی تھے۔ بہ قول ڈاکٹر گیان چند جین:

"دیباچہ، گو قصّے کا جز نہیں لیکن اس کے چند صفحوں میں جو لکھنؤ کی معاشرت کے لوازمات گنا دیے گئے ہیں، وہ ادب میں مستقل جگہ پا گئے ہیں۔" (اردو کی نثری داستانیں ص ۳۰۴)

دیباچے کی تصنیف میں سرور نے نوطرز مرصع کے دیباچے، تاریخ فرح بخش کے مندرجات اور فیض آباد کے بازار کے بارے میں مثنوی "گلزارِ ارم" کے بیانات سے استفادہ کیا ہے۔ سرور نے لکھنؤ کی زندگی کے بیانات میں جو کیفیت پیدا کی ہے، اس کا ایک اور بڑا سبب یہ بھی تھا کہ قتل کے مقدمے میں ماخوذ ہونے کی وجہ سے انھیں کئی برس تک لکھنؤ سے باہر کان پور میں رہنا پڑا تھا اور اس مہاجرانہ زندگی کے زمانے میں لکھنؤ کے پُر عیش و عشرت شب و روز کی یادیں برابر ان کے دل میں چٹکیاں لیتی رہتی تھیں۔ دیباچے کے مندرجہ ذیل اشعار سے ہمارے اس خیال کی تائید ہوتی ہے ؎

یا تو ہم پھرتے تھے اُن میں، یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں میں ہر دم کوچہ ہائے لکھنؤ

الٰہی! لکھنؤ بستا رہے دورِ قیامت تک
سرورِ دشت پیما کا کبھی وہ شہر مسکن تھا

سرور نے دیباچے میں لکھنؤ کی معاشرتی، تہذیبی اور کاروباری زندگی کے گوناگوں پہلوؤں کی نہایت عمدہ تصویریں پیش کی ہیں۔ طاؤس و رباب کی اِس دنیا میں ہر طرف خوش حالی، بے فکری، دولت مندی اور عیش و عشرت کا

دور دورہ نظر آتا ہے۔ اس دنیا کی معمولی سے معمولی چیز بھی ایک نئی اور نرالی شان و شوکت کی حامل نظر آتی ہے۔ ہر گلی کوچہ آراستہ و پیراستہ ہے اور ہر چیز زیب و زینت میں اپنا جواب نہیں رکھتی۔ معاشرتی زندگی کے تمام تکلفات کو دھن بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ زبان و بیان کی رنگینی نے ان بیانات کی خوبی و خوب صورتی اور دل کشی و دل آویزی میں اضافہ کیا ہے اور ادبی اعتبار سے چار چاند لگا کر زندۂ جاوید بنا دیا ہے۔

داستان کی حیثیت سے فسانۂ عجائب کے موضوع میں نہ کوئی ندرت ہے، نہ دل کشی و تازگی۔ مروجہ داستانوں کی طرح اس کا موضوع بھی وصل محبوب کے لیے ہفت خواں طے کرنا ہے۔

فسانۂ عجائب محبوب کے مل جانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوتا بلکہ محبوب کا وصل نئی نئی آفتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتا ہے۔ دل چسپی کو برقرار رکھنے کے لیے سوداگر کی بیٹی اور ایک انگریز کی نسل کی ایک ضمنی کہانی شامل کی گئی ہے اور کہانی پسر مجسٹن کی، اس کی مزید ضمنی کہانی ہے۔ ہندستانی قصوں میں قصہ در قصہ کی روایت اور خصوصیت ہمیشہ پائی جاتی رہی ہے۔

فسانۂ عجائب میں مافوق الفطرت عناصر بہت کم ہیں۔ جن، پری، دیو وغیرہ ان عناصر کے بغیر قدیم زمانے میں قصے کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ چنانچہ جن، دیو، پریاں اور چڑیلیں اس زمانے میں پوری دنیا کے افسانوی ادب پر سایہ فگن نظر آتی ہیں۔ اب زمانہ بہت بدل گیا ہے اس لیے یہ عناصر ہمیں غیر فطری معلوم ہوتے ہیں۔ بہر حال قدیم داستانوں اور قصوں میں مصنفین نے اپنے دور کی زندگی کے تجربے اور دکھ سکھ کی باتیں کبھی تو انسانوں کے وسیلے سے بیان کی ہیں اور کبھی جنوں اور پریوں کے ذریعے سے اپنے پڑھنے والوں کو زندگی کی مشکلات سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ بخشا ہے۔ یہ قصے اگر مسرت، بصیرت اور عبرت فراہم کرتے ہیں، تو انھیں مخرب اخلاق اور مافوق الفطرت کہہ کر گردن زدنی قرار نہیں دیا جا سکتا، کیونکہ

ادب کا بنیادی اور اہم ترین مقصد مسرّت اور بصیرت فراہم کرنا ہے۔ فسانۂ عجائب میں اگرچہ گزشتہ زمانے کا ذکر کیا گیا ہے، لیکن سرور کے پیش نظر لکھنؤ کی تہذیبی و معاشرتی زندگی تھی۔ وہ جا بہ جا اسی کی تصویریں پیش کرتے ہیں، کیونکہ وہ خود اُسی شہر میں رہ رہے تھے اور اس کے دُکھ سُکھ، عیش و عشرت اور رنگینیوں سے واقف تھے۔ اِس کے ساتھ ساتھ وہ وہاں کے علم و ادب، صنعت و حرفت، زبان و بیان اور مختلف فنون سے بھی اچھی واقفیت رکھتے تھے۔

فسانۂ عجائب کے کرداروں پر مثنوی سحرالبیان کے کرداروں کا گہرا سایہ پڑا ہے۔ فسانۂ عجائب کا جانِ عالم، سحرالبیان کے شہ زادہ بے نظیر کی طرح تمام مثالی اوصاف سے مزیّن ہے اور اُسی کی طرح زیادہ تر توکّل بہ خدا رہتا ہے۔ غرض کہ وہ کم و بیش بے نظیر کا مثنّیٰ نظر آتا ہے۔

انجمن آرا، بدر منیر کا مثنّیٰ معلوم ہوتی ہے۔ ملکہ مہر نگار کا کردار سحرالبیان کی نجم النسا کی طرح فعال اور جان دار ہے۔ اس کی خوش بیانی، ذہانت، وفاداری، کار آگہی اور سوجھ بوجھ نجم النسا کی طرح بے مثال ہے۔ مہر نگار، شہ زادہ جانِ عالم کو وزیر زادے پر اعتماد کرنے سے روکتی ہے۔ شہ زادے کے قالب میں وزیر زادے کو سب سے پہلے وہی بھانپتی ہے۔ وہی شہ زادے کو بندر سے پھر شہ زادہ بناتی ہے اور وزیر زادے کو بکری کا بچہ بنا کر اس پر قابو پا لیتی ہے۔ غرض کہ خطرے کے ہر موقعے پر وہ اپنی ذہانت و ذکاوت اور وفاداری کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔

بہر کیف "فسانۂ عجائب" کی تمام تر کشش اس کے اسلوب میں ہے، قصّے میں نہیں۔

نثری ادب کی تاریخ کے سلسلے میں فسانۂ عجائب کی تعلیم و تدریس نہایت اہم ہے۔ پوری داستان کو لفظاً لفظاً پڑھانا بہت مشکل ہے۔ طلبہ کا ذاتی مطالعے اس کے مطالب و مفاہیم تک پہنچنا، اب ہفت خواں طے کرنے کے برابر ہے۔ کتابوں کی گرانی کے سبب بہت سے طلبہ اس کی زیارت تک سے محروم رہ جاتے

ہیں۔ ایسی صورت میں ضروری تھا کہ اس کا ایک مختصر اور جامع انتخاب تیار کیا جائے اور ایک مناسب فرہنگ فراہم کی جائے۔

زیر نظر انتخاب میں غیر ضروری بیانات، طویل گفتگو اور ضمنی داستانوں کو چھوڑ دیا گیا ہے۔ ادبی اور لسانی اعتبار سے اہم حصوں کو شامل کیا گیا ہے اور قصے کے تسلسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ داستان کا سب سے دل چسپ، پر لطف اور اہم حصہ بیانِ لکھنؤ ہے۔ اسے بغیر کسی قطع و برید کے انتخاب میں شامل کیا گیا ہے۔ متن میں حسب ضرورت اعراب و اوقاف لگائے گئے ہیں تاکہ متن کو صحیح پڑھا اور سمجھا جا سکے۔

۱۔ تاریخ ادبِ اردو ۔ رام بابو سکسینہ

۲۔ اردو کی نثری داستانیں ۔ ڈاکٹر گیان چند جین

۳۔ رجب علی بیگ سرور، حیات اور کارنامے ۔ ڈاکٹر نیر مسعود

۴۔ داستانِ تاریخ اردو ۔ حامد حسن قادری

۵۔ سیر المصنفین ۔ محمد یحییٰ تنہا

۶۔ نمونہ منشورات ۔ احسن مارہروی

۷۔ فسانۂ عجائب کا تنقیدی مطالعہ ۔ سید ضمیر حسن دہلوی

۸۔ مجلہ ششماہی "غالب نامہ" دہلی، شمارہ جولائی ۱۹۸۳ء سے اس دیباچے کی تحریر میں مدد لی گئی ہے۔

(ڈاکٹر) قمر جہاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سزاوارِ حمد و ثنا، خالقِ ارض و سما جلّ و علیٰ، صانعِ بے چون و چرا ہے، جس نے رنگِ بے ثباتی سے بایں رنگا رنگی، تختۂ چمنِ دنیا، پُر از لالہ و گل، حجر و کل بنایا، اور بادِ جودِ ترسِ باغبان و بیمِ صیاد، و لولۂ رُخِ گل و بلبل کو دے کر دامِ محبت میں پھنسایا، اور عاشقِ باوفا و معشوقِ پُر دغا کو ایک آب و گِل سے خمیر کر کے، پردۂ غیب سے بعرصۂ شہود لایا۔ ایک خلقت سے دو طرح کا جلوہ دکھایا، اور انسانِ ضعیف بُنیان کو اشرف المخلوقات فرمایا۔ جلوۂ حسنِ بتاں، مُجدِ اشیفتگی کا بہانہ ہے، نالۂ بلبل شیدا گوشِ گلِ رعنا کا ترانہ ہے۔ اُس کی نیرنگیوں کے مشہور فسانے ہیں۔ ہم اُس کی قدرتِ کاملہ کے دیوانے ہیں۔ صفت اس کی محال ہے، زبان اس تقریر سے لال ہے، جس کی شان میں مخبرِ صادق یہ فرمائے، دوسرا اس عہدے سے کب برآئے۔ (ما عرفناک حق معرفتک)

نعت سرورِ کائنات محبوبِ خدا، برگزیدۂ انبیاء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

بعدِ حمدِ خالقِ جن و بشر، حاکمِ قضا و قدر، مبدا و شام، طالعِ سحر، نعتِ سیدِ کائنات، خلاصۂ موجودات، بہترینِ عالم، برگزیدۂ نوعِ بنی آدم، کی ہے، جس کی چراغِ ہدایت کی روشنی سے، تیرہ بخت، گم گشتۂ کوچۂ ضلالت، بہ راہ راست آئے۔ بہ توفیقِ رفیق اور مدارجِ تحقیق کیا کیا مرتبۂ بلند پائے، اور منحرف کور باطنوں کو فہمِ ناقص کی کجی اور زعمِ فاسد نے کیسے کیسے روزِ سیہ دکھائے۔

اس مشت خاک کا کیا فہم و ادراک جو شمۂ صفات ذات بابرکات زبان پر لائے، جو عجز میں نہ در آئے۔ کام و زبان ناکامی سے فوراً جل جائے، اور منقبت امیر المومنین امام المتقین، یکہ تاز میدان لافتیٰ، خلاصۂ مضمون سورۂ ھل اتیٰ، یہی کافی ہے، جیسے پیغمبر نے کہا لحمک لحمی و دمک دمی علی منی و انا منہ اور مدح اہل بیت رسالت کہ ولا ان کی ایمان کی دلیل ہے اور محبت ان کی، ہر فرد بشر کو واجب بایں حدیث جلیل ہے مَثَلُ اَھلِ بَیتِی کَمَثَلِ سَفِینَۃِ نُوحٍ مَن رَکِبَہَا نَجیٰ وَمَن تَخَلَّفَ عَنہَا غَرِقَ وَھَویٰ۔

مذکور شاہ غیور، قباد شوکت، نوشیروان معدلت

غازی الدین حیدر بادشاہ غازی، وارث دودمان سعادت

پس از حمد خدا و نعت سرور انبیا لازم و ضرور ہے کہ مدح والی ملک بیان کرے۔

اگرچہ صفت شاہ زبان گدا کا بیان کرنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے، مگر نام نامی و توصیف ذات گرامی اس کی وسیلۂ توقیر اس تحریر کا اور مفتاح باب اس پریشان تقریر کا جان کر، شمہ از شمائل و ذرہ از خورشید خصائل، رقم کرتا ہوں۔ شاہ کیوان بارگاہ، بلند مرتبہ، عالیجاہ، سر حلقۂ شاہان والا تبار، جم شوکت، فریدوں فر، سلیمان اقتدار، کشور گیر، ملک ستان خدیو کیہان، ابو المظفر معز الدین شاہ زمن غازی الدین حیدر اگر معرکۂ رزم یا صحبت بزم اس کی انشا کروں، صفحۂ دنیا پر نہ لکھ سکوں۔ دم رزم رستم و سام و نریمان مثل پیرزال لرزاں اور وقت سخا در عطائے زر و مال، حاتم کے ہاتھ میں کاسۂ سوال۔ بزم طرب میں زہرہ و مشتری سرگرم نغمہ پردازی و عربدہ سازی، ہنگام عتاب و خشم، مریخ مستعد جلادی و بیدادی۔

بسکہ سحاب بخشش اس بحر عطا کا روز و شب مزرعہ کہ دمہ پر بارش رکھتا ہے۔ شہر میں سالہا کان مشتاق سائل کی صدا کا، اور دیدہ ندیدہ صورت گدا کا۔ عدل یہ کہ ہاتھی چیونٹی سے ڈرتا ہے، شیر بکری کی اطاعت کا دم بھرتا ہے۔ بچشم اس کے عہد دولت میں

ہزاروں نے دیکھا، بکری شیر کے بچے کو دودھ پلاتی تھی، کنار میں شفقت سے سلاتی تھی۔ بازِ تیز پرواز بچۂ گنجشک کا دمساز اور نگہبان، بلی کی عادت جبلی یہ کہ کبوتر سے ہراساں۔ دودِ دلِ اندوہناک روزنِ ہر خانہ مسدود، شحنۂ داد رخنہ بندیِ فساد کو موجود، اللہ تعالیٰ اس امیدگاہِ عالم اور عالمیان کو اپنے حفظ وامان میں سلامت رکھے۔ دولت خواہ اِس والاجاہ کے بعیش و شادی مدام اور دشمنِ روسیاہ برنج نامرادی گرفتارِ آلام رہیں۔ بحقِ ربِ ذوالمنن، بہ تصدقِ پنج تن۔

بیانِ مؤلف دربارۂ لکھنؤ

و

ذکرِ صنعت مردمانِ خجستہ رو و تذکرۂ ہر صاحب علم و کمال علیٰ قدرِ حال و نمونۂ مکانات ایں شہر

یہ نیمہ دہاں، ہیمچداں، محررِ داستاں، مقلدِ گذشتگاں، سراپا قصور رجب علی بیگ تخلص سرور، متوطنِ خطۂ بے نظیر، دلپذیر، رشکِ گلشنِ جناں، مسکنِ حور وغلمان، جائے مردم خیز، باشندے یہاں کے ذکی، فہیم، عقل کے تیز۔ اگر دیدۂ انصاف و نظرِ غور سے اس شہر کو دیکھے تو جہان کی دید کی حسرت نہ رہے، ہر بار یہ کہے۔ شعر

سنا رضواں بھی جس کا خوشہ چیں ہے وہ بیشک لکھنؤ کی سرزمیں ہے

سبحان اللہ و بحمدہٖ عجب شہر گلزار ہے، ہر گلی کوچہ دلچسپ، باغ و بہار ہے، ہر شخص اپنے طور پر باوضع، قطع دار ہے۔ دو رویہ بازار کس انداز کا ہے، ہر دوکان میں سرمایہ ناز و نیاز کا ہے۔ گو، ہر محلے میں جہان کا ساز و سامان مہیا ہے، پر اکبری دروازے سے جلو خانے اور ریکبے پل تک، کہ صراطِ مستقیم ہے، کیا جلسہ ہے، نان بائی خوش سلیقہ، شیرمال، کباب، نان، نہاری، بلکہ جہان کی نعمت اس آبداری کی جس کی بوباس سے دل طاقت پائے، دماغ معطر ہو جائے، فرشتہ گذرے تو سونگھے، مست ہو جائے، اونگھے۔ کیا ہی

سیر ہو، ذرا نہ دیر ہو، دیکھے سے بھوک لگ آئے۔ وہ سرخ سرخ پیازے سے نہاری کا بگھار، شیرمال شنگرف کے رنگ کی، خستہ، بھُربھُری۔ ایک بار کھائے نانِ نعمت کا مزہ پائے، تمام عمر ہونٹ چاٹتا رہ جائے۔ کباب اس آب و تاب کے کہ مرغ و ماہی کا دل سیخِ آہ پر حسرتِ محرومی سے کباب۔ ادرک کا لچھا، میاں خیر اللہ کی دوکان کا، بال سے باریک کترا، ہاضم، نایاب۔

حُسینی کے حلوا سوہن پر عجیب جوبن، اس کی شیرینی کی گفتگو میں لب بند، جہاں کو پسند۔ پیڑی لذیذ و دبیز، بسی بسائی، پستہ و بادام کی ہوائی، ہونٹ سے کھائے، دانت کا اس پر تمام عمر دانت رہے، لگانے کی نوبت نہ آئے۔ جوزی خوب، حبشی اہلِ ہند کو مرغوب، دودھیا شیر خوارہ نوش کر جائے۔

ہر سبزی کی وہ تیکھی چتون کہ آدمی صورت دیکھتا رہے، رعبِ حسن سے بات نہ کر سکے۔ کنگر مین پریزاد، سرو قامت، رشکِ شمشاد، دوکانوں میں انواع و اقسام کے میوے قرینے سے چُنے، روز مرے، محاورے اُن کے دیکھے نہ سُنے۔ کبھی کوئی پکار اٹھتی: بیٹھے بیٹھے قہقہہ مار اٹھتی۔ "میاں! لگے کو ڈھیر لگا دیا ہے کھانے والوں کو زود رمزہ ہے۔" کوئی موزوں طبیعت یہ فقرہ سُناتی، "مزہ انگور کا ہے رنگتروں میں۔" کسی طرف یہ صدا آتی: "گنڈیریاں ہیں پونڈے کی۔" ایک طرف تنبولی سُرخروئی سے یہ رمز و کنایہ کرتے، بولی ٹھولی میں چبا چبا کر ہر دم یہ دم بھرتے: "کتھے کا منہ کالا، ہوبہ کا گرد کر ڈالا۔ عبیر ہے نہ گلال ہے، کتھے چونے سے اُدھی میں لکھ لال ہے۔"

گلیوں میں گجردم یہ آواز آتی "شیرمال ہے گھی اور دودھ کی۔" "مفلس کا دل اُچاٹ ہے! ملکوں کی چاٹ ہے۔" "کدھر لینے والے ہیں، نمش کی قفلیاں، کھیر کے پیالے ہیں۔" "کیا خوب بھنے بھُربھُرے ہیں چنے، پر مل اور مُرمُرے ہیں۔"

جیٹھ بیساکھ کی وہ گرمی جس میں چیل انڈا چھوڑتی، دو پیسے کو برف کی قفلی جمی، دو کھائے بدن تھرتھرائے، زیادہ ہُو کا کرے، لقوے فالج میں مرے۔

سرِ چوک ہمیشہ شانے سے شانہ چھلا، نسیم و صبا کو سیدھا رستہ نہ ملا۔ شیخ کولی کی مٹھائی جس نے کھائی جہان کی شیرینی سے دل کھٹا ہوا۔ بنارس کا کھجلا بھولا، متھرا کے پیڑے کا تھٹا ہوا

برفی کی نفاست، بو باس، زرد راپن، نقرئی ورق کا جوبن، کسی اور شہر کار کا بدل اگر دیکھ پائے یا ذائقہ لب پر آئے، گو زندگی تلخ ہو، ہاتھ کاٹ کاٹ کر کھائے۔ امرتی مسلسل کا ہر پیچ ذائقہ کو پیچ و تاب دیتا، یا قوتِ مفرّح کا جواب دیتا۔ جب منھ میں رکھا، اصل تو یہ ہے، عسلِ مصفّٰی جنّت کی نہر کا حلق سے اترا۔ پراچیون کی گلی کی کھجور، لذّت ٹپکتی ذائقے ہیں چور، بہتر از انگور، نہایت آب و تاب، ہم خرما و ہم ثواب۔ بالائی نورا کی دکان پر جب نظر آئی، بے قند و شکر، شکر کر، نورٌ علیٰ نور کہہ کر چھری سے کاٹ کر کھائی۔ مدار بے حقّے وہ ایجاد ہوئے، گنگرا ایسے استاد ہوئے کہ جب تڑاقا ان کا سنا، یہ حیوان کا دم بند ہوا، سب کو پسند ہوا۔ پٹھانا کی دکان کا تمباکو، مشک و عنبر کی خوشبو جس نے ایک گھونٹ کھینچا اسی کا دم بھرنے لگا علی الخصوص مردِ تماش بین کے واسطے یہ شہر خداد ہے، یہاں ہر فن کا استاد ہے۔ سیکڑوں کھاڑ بدگلِ کندۂ ناتراش، اطراف و جوانب سے آ، ہفتہ عشرے میں چھیل چھیلا، وضع دار ہو گئے۔ جب ابو تراب خاں کے کٹرے میں جا، میاں خیراتی سے کسی کی خیرات میں خط بنوایا، بارہ برس کے سن کا گالوں سے مزا آیا۔ چار پہر کھونٹی ٹوٹی پتا نہ پایا۔ کاتبِ قدرت کا لکھا مٹاتا ہے، ایسا خط بناتا ہے۔ سید حسین خاں کے کٹرے کے دروازے پر عبداللہ عطر فروش کی دکان، جائے نشست ہر وضعدار جوان ہے، دو پیسے میں بیلے چنبیلی کا تیل، ریل پیل، فتنے بپا کرنے والا ایسا ملا کہ سہاگ کا عطر گرد ہوا، جونپور سے دل سرد ہوا۔ عطر کی روئی رکھی کان میں، پھر جا بیٹھا کسی افیونی کی دکان میں۔ سفید سفید چینی کی پیالیاں، خوبصورت رنگین نرالیاں۔ افیون فیض آبادی لائے کی۔ وہ رنگین جس نے تریاکِ مصر کے نشے کرکرے کیے، زیادہ پی جانے والوں کو جان کے لالے ہوئے، ایسے متوالے ہوئے، جھکڑا بادۂ ارغوانی و زعفرانی کا پیدا۔ تبدیلِ ذائقہ کو فرنی کے خوانچے، نقرئی ورق جمے، پستے کی ہوائی چھڑکی ہوئی، جمتا، چپکی پی، ایک دم کے بعد دم حقّے کا کھینچا، آنکھوں میں سرور موجود ہوا۔ وہاں سے بڑھا، کان میں آواز آئی: بیلے کے ہار ہیں۔ شوقین البیلے کو، پہن کے چلا جا فرنگی محل کے میلے کو۔ جب یہ سج بنی، بگڑا پنچوں کے بل چلا۔ یہ بھولا، وطن کی چال ڈھال راہ و رسم بھولا، اکثر باہر سے آ، یہ دھج بنا، جونپور کے قاضی ہونے کو مفتی میں راضی ہو گئے۔

برسات کے موسم میں شہر کا یہ عالم ہے، ادھر مینھ برسا، پانی جا بجا بہہ گیا، گلی کوچہ صاف رہ گیا۔ ساون بھادوں میں زرد و زی جوتا پہن کر پھرے، کیچڑ تو کیا مٹی نہ بھرے فصل بہار کی صنعت پروردگار کی، رضوان جن کا شائق، دیکھنے کے لائق۔ روز عیش باغ میں تماشے کا میلا، ہر وقت چین کا جلسہ۔ موتی جھیل کا پانی، چشمۂ زندگانی کی آب و تاب دکھاتا، پیاسوں کا دل لہراتا۔ سڑک کے درختوں کی فضا، جدھا، کھجوا موجیں مارتا۔ ہار سنگھار کے جنگل میں لوگوں کا جمگھٹا، رنگا رنگ کی پوشاک، آپس کی جھانک تاک۔ تختۂ لالۂ نافرمان جن پر قربان اور بندہ ہائے خاص کی سبک روی، خرامِ ناز، ہر قدم پر کبکِ دری چال بھول کر جبین نیاز رگڑتی، شاخ سرو، ان کے روبرو نہ اکڑتی۔ شائق ہزار در ہزار، شمع پر والوں کا عالم، غول کے غول باہم۔ آم کے درختوں میں پٹکا لگا۔ خاص جھولا وہیں پڑا، جھولنے والوں پر دل پٹکا پڑتا۔ محبت کے پینگ بڑھتے، دیکھنے والے درود پڑھتے۔ باغ میں کوئل، پپیہے، مور کا شور، جھولے پر گھٹا رہی، ادھی گھنگھور۔ ساون بھادوں کے جھالے، وہ رنگین جھولنے والے۔

دشتِ غربت میں یہ جلسہ جو یاد آجاتا ہے، دل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ نہ کہ کانپور کی برسات، ہیہات! ہیہات!! دخل کیا دروازے سے باہر قدم دھرے اور پھسل نہ پڑے۔ گلی میں پاؤں رکھا اور کیچڑ کا چھپکا سر پر پہنچا۔ دو اس فصل میں باہم نہ دیکھے، مگر جیلے کے بھیسے۔ اور جنھیں سواری کا مقدور نہیں، دخل کیا جو وہ جائیں کہیں۔ ان کے حق میں برسات حوالات، گھر جیل خانہ، نہ کہیں جانا نہ آنا۔ اگر خواب میں کہیں نکل گئے تو چونک پڑے کہ پھسل گئے۔ اور جو بازاری کاروباری ہیں ان کا یہ نقشہ دیکھا، ہاتھ میں جوتیاں، پائنچا چڑھا، کیچڑ میں لت پت، یہاں گرے، وہاں گرے، خدا خدا کر جیتے گھر پھرے۔ اور جو شیخی کے مارے ننگے پانو نہ نکلے تو ؎

دیکھی ہے یہ رسم اس نگر میں
جوتا ہے گلی میں، آپ گھر میں

پھر برسرِ مطلب آیا۔ خاص بازار کہ شہرِ وسیع و خوش قطع ہے، اس کے نقشے سے مانی

و بہزاد نے خار کھایا، شبیہہ کشی تو کیا، خاکہ خاک نہ کھینچا، ہاتھ تھرّایا۔ کوٹھیاں فرح بخش و دلکشا، برج ہر ایک جہاں نما، سلطان منزل اور استری منجن، نشاط افزا، توبہ شکن۔ انسان کو دیکھ کر سکتہ ہو جائے۔ کام ان کا وہم و قیاس میں نہ آئے۔ سر راہ کی بارہ دری، جواہر سے جڑی پری کی صورت کی۔ قریب نہر جاری بہ تکلف کی تیاری ہے پائیں باغ اس کا جس نے دیکھا، باغِ ارم سمجھا۔ سوسن صفت ہزار زبانیں بہم پہنچیں تعریف نہ کر سکا، گونگے کا سپنا ہوا۔ رومی دروازہ اس رفعت و شان کا ہے، گذرگاہ ایک جہان کا ہے۔ اگر اس پر چڑھ جائے بامِ فلک پست معلوم ہو، فرشتوں کا مشورہ کان میں آئے۔ سپہر اولیں اس کی زمیں ہے، شش جہت میں دوسرا نہیں ہے۔ مسجد انتخاب ہے، امام باڑہ لاجواب ہے۔ مقبرے عالیشان، وہ نادر مکان کہ فلک بدیدۂ انجم نگراں ہے، ان کی نظیر کی جستجو میں مشعلِ مہ و خورشید روز و شب روشن کیے، کو بکو سرگرداں ہے۔ اگر پاؤں پھیلانے کی جگہ۔ ان میں ہاتھ آئے، ہر دست مرجانے کو جی چاہے۔ گومتی کے انداز سے نہر کی کیفیت نظر آتی ہے، طبیعت لہراتی ہے۔ دورویہ آبادی، عمارت کہیں رمنے، کسی جا باغ بنے۔ صبح و شام وہ بہار نظر آتی ہے کہ شامِ اودھ اور بنارس کی سحر بھول جاتی ہے۔

شہر نفیس، مجمع رئیس، ہر فن کا کامل یہاں حاصل ہے۔ خوش نویس حافظ ابراہیم صاحب سا، اس قطع کا قطعہ لکھا جو میر علی یا آغا جیتے ہوتے اپنے لکھے کو ردّ کرتے۔ اشکِ حسرت سے وصلیاں دھوتے۔ مرزائی صاحب کا یہ حال تھا کوئی پرچہ ان کا ان کی نظر پڑ جاتا، نیریز، بریز، کہتا، یاقوت رقم ہیرا کھاتا۔ مرثیہ خوان جناب میر علی صاحب نے وہ طرز نو مرثیہ خوانی کا ایجاد کیا کہ چرخِ کہن نے مسلّم الثبوت استاد کیا۔ علمِ موسیقی میں یہ کمال بہم پہنچایا، اس طرح کا دھرپت، خیال، ٹپہ گایا اور بنایا کہ کبھی کسی نایک کے وہم و خیال میں نہ آیا تھا۔ ایک رنگین احاطہ کھینچا ہے، جو اس میں آیا بھولا بھلا، وہ ان کا پیرو ہوا، اور جس نے ڈھنگ جدا کیا، وہ ٹکسال باہر، بدرنگ ہوا۔ اگر تان سین جیتا ہوتا، ان کے نام پر کان پکڑتا، بھیک مانگ کھاتا، مگر نہ گاتا۔ ہزاروں شاگرد، جگت استاد ہوا، مولوی

سب میں پریزاد ہوا۔ امیروں میں حسین علی خاں، بلبلِ ہزار داستان، خوش الحان، مرثیہ گوبے نظیر، میاں دلگیر، صاف باطن، نیک ضمیر، خلیق، فصیح، مردِ مسکین، مکروہاتِ زمانہ سے کبھی افسردہ نہ دیکھا۔ اللہ کے کرم سے ناظمِ خوب دبیرِ مرغوب، سکندر طالع، بہ صورتِ گدا۔ بارِ احسان اہلِ دول کا نہ اٹھایا۔ عرصۂ قلیل میں مرثیہ، سلام کا دیوانِ کثیر مرتب فرمایا۔

طبیب ہر ایک مسیحائی کرتا ہے، قم باذنی کا دم بھرتا ہے۔ جسے دیکھا بقراط، سقراط جالینوسِ زماں ہے۔ اس معنی میں یہ خطہ رشکِ زمینِ یوناں ہے۔ میرک جان صاحب پیرنے کے فن سے ایسے آشنا ہوئے کہ مردم بحر و بر سرگرمِ ثنا ہوئے۔ شاعر زباں داں ایسے کہ عرفی اور خاقانی کی غلطی بتائی، فردوسی اور انوری کی یاد بھلائی۔ شیخ امام بخش ناسخ نے یہ ہندی کی چندی کی اور روزمرے کو ایسا فصیح اور بلیغ کیا کہ کلامِ سابقین منسوخ ہوا۔ فصحائے شیراز و اصفہاں اس سیف زبان کا لوہا مان گئے، اپنے قبح پر منفعل ہوئے۔ اس زبان کا حسن جان گئے۔ زمینِ شعر کو آسمان پر پہنچایا۔ سیکڑوں کو استاد بنایا۔ خواجہ حیدر علی آتش کی آتش بیانی، شرر افشانی سے دل جلوں کے سینے میں سوز و گداز ہے، مردِ قانع، شاعرِ ممتاز ہے۔

فرنگی محل کا حال کیا لکھوں۔ کہاں زبان و دست کا یارا جو شمہ لکھتا۔ مولوی فاضل، عدیم المثال۔ ہر شخص جمیعِ علوم کا استاد، کتبِ درسی ابتدا سے انتہا تک یاد، منقول و معقول میں دقیقہ باقی نہ رہا، ریاضی کے ریاض سے آسمان کو زمین کر دیا۔ مولوی انور کا پرتوِ فیض جہاں میں روشن۔ مولوی مبین، دوربین، سراجِ انجمن۔ مولوی ظہور اللہ سبحان اللہ! ایسے فقیہہ محقق کہاں ہوتے ہیں، یہی لوگ نادر الزماں ہوتے ہیں۔ ادھر رکنِ دین بلا کد ببر سید محمد مجتہد مستند۔ مرزا کاظم علی متقی، اخوند محمد رضا رضائے خدا کا جویا، حاملِ قرآن۔ ہمہ داں، کسی علم میں عاری نہیں، روئے زمین پر آقا محمد تبریزی سا قاری نہیں۔ مگر وہ جو مثل ہے، نیک اندر بد بد اصل ہے، لب معشوق مولویوں سے۔ وہ رنڈیاں پری شمائل، زہرہ جبین، مشتری خصائل، ستم ناز، سحر کرشمہ، غضب انداز، طلسمِ غمزہ، آفتِ عشوہ قہر ادا، قیامت گات، کرامت بات کہ ہاروت اور ماروت تو کیا، معاذ اللہ اگر سب فرشتے عرش

سے فرشِ خاک پر آئیں، ان کی چاہ میں لکھنؤ کے کنوئیں بھر جائیں۔ گھڑی بھر ان سے زانو بزانو بیٹھے۔ توبہ تصور چاٹوٹے، ان کا دروازہ نہ چھوٹے۔ بولی چرخ ان پر نثار ہے۔ ہر ایک جورِ دش آفتِ روزگار ہے۔ خوش مزاج مردم شناس، روزمرہ شستہ، دم تقریر، رمز و کنایہ، اسی کوچہ کے فیض سے انسان آدمیت بہم پہنچاتا ہے، تراش خراش اثرِ صحبت سے کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔

کلاونت قوال بے مثال، چھجو خاں، غلام رسول، سب کو موسیقی میں کمال حصول۔ شوری کی منہ زوری کی دھوم ہے، ٹپے کا موجد ہوا، سب کو معلوم ہے۔ بخشو اور سلاری نے طبلہ ایسا بجایا کہ پکھاوج کو شرمایا۔ پتنگ ایسا بنا، ایسا لڑا کہ نزدیک و دور مشہور رہے۔ ستر بہتر تار ڈور کا، پتنگ خیراتی یا چھنگا کے ہاتھ کا، لڑائی کی گھات کا، رستم کی عافیت تنگ کرنے والا، منجھی ہاتھ پاؤں پر مولوی محمد و نے ایسا لڑایا، عمدا اتنا بڑھایا کہ گردیوں سے عبادت چھوٹی، دوڑ دوڑ کر ڈور لوٹی، آنکھ بچا کر ٹھیا توڑا، فرشتے خاں کا پتنگ نہ چھوڑا۔ مردان بیگ مانجھا دینے والا دیکھا نہ بھالا۔ غرضکہ جو چیزیں یہاں نئی بنیں اور ایجادِ طبیعت سے کاریگروں نے نکالیں، سلف سے آج تک نہ ہوئی تھیں۔ زردوزی ایسی بنی، یہ باریکی چھنی کہ باہر بنڈوا دگی کی پتی جو پائیں بجائے جیغہ و سرپیچ سر پر لگائیں۔ جوتا خوردنوک کا بسر علی نے اس نوک جھونک کا بنایا کہ جہان کو پسند آیا۔ آرام پائی جس کے ہاتھ آئی، دل نے چین پایا۔

چالیس سال جہان کی دیکھ بھال کی ایسا شہر، یہ لوگ نظر سے نہ گذرے۔ اور نوادر شہداؤ پیر بخارا کا تماشا، سید الشہدا کا شیدا، برس روز میں جو پیدا کیا، عشرۂ محرم میں محتاجوں کو نذرِ حسین کھلا دیا۔ یہ یک رنگی مزاج میں سمائی۔ تمام عمر جوا کھیلا، دوے کے داؤ پر ادھی نہ لگائی۔ ایک روپیہ ہوا خواہ سو کا کہہ دیا پو۔ سیکڑوں داؤ بیچے گئے، منہ سے نہ بیچے گئے۔ وہاں بھی ایک چوک لگا رہتا ہے۔ آدمی کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں، جب وہ لوگ نظر آتے ہیں۔ مشائخ فقیروں کے مزار خوب، خوابِ راحت میں آسودہ، سالک و مجذوب۔ شاہ مینا، شاہ پیر محمد، شاہ خیر اللہ، ایک سے ایک، سبحان اللہ! بظاہر مردہ، حقیقت میں جیتے ہیں، اشیائے لطیف کھاتے پیتے ہیں۔ مولوی عبدالرحمٰن برگزیدۂ یزدان، عالم باعمل، درویش اکمل، خواجہ باسط اور میر نصیر جن کا عدیل نہ نظیر۔ خواجہ حسین و حسن ہر گروہ انجمن۔ طبیعت بس کہ مصروف باختصار

ہے، ایک ایک فقرہ لکھا ہے، ورنہ ان بزرگواروں کی صفت میں کتابیں تحریر کرے تو بجا ہے۔

منصف سے انصاف طلب ہیں، ہٹ دھرم سے کیا کہیں۔ جھوٹے روبرو سچا رو دیتا ہے۔ بالفرض معترض کہے یہ لوگ کہاں کے تھے۔ تو یہ جوابِ شافی کافی ہے کہ یہ شہر ایسا تھا، جیتے جی یہاں سے نہ نکلے، مر گئے پر یہیں رہے۔

جو گفتگو لکھنؤ میں کوبکو ہے، کسی نے کبھی سُنی ہو، سنائے، لکھی دیکھی ہو، دکھائے۔

عہدِ دولتِ بابر شاہ سے تا سلطنتِ اکبر ثانی، مثل مشہور ہے، یہ چولھے آگ نہ گھڑے پانی، دہلی کی آبادی ویران تھی، سب خلقت مضطر و حیران تھی۔ بادشاہوں کے عصر کے روزمرے لہجے، اردوئے معلیٰ کی فصاحت، تصنیفِ شعراء سے معلوم ہوئی۔ یہ لطافت اور فصاحت و بلاغت کبھی نہ تھی، نہ اب تک وہاں ہے۔ قطع نظر اس سے، لوگ اس خلقت کے گرہ سے کھوئیں اور جلسہ کریں چنانچہ ایک بندے کے شفیق، حکمت آشنا جناب مرزا محمد رضا، مجمع خوبی از پا تا فرق، تخلّص برق، فی الحقیقت کلام بلاغت نظام ان کا، صاعقۂ خرمنِ ہستیِ حاسد ہے، بھائی بند شاعروں کا بازار ان کے روبرو کاسد ہے۔ جوان، خوش رو، بہادر، آشنائے بامزہ، نیک خو، شبِ ماہ صحبتِ مشاعرہ بدولت خانہ مرزا معین ہے۔ رئیس، امیر، صغیر و کبیر، تشریف لاتے ہیں، لطفِ بے حد اٹھاتے ہیں۔ اس مکانِ وسیع میں آدمیوں کی کثرت سے جگہ کی قلت ہوتی ہے۔ ہوا کشمکش سے باریاتی ہے، جب پنکھے کی سعی اٹھاتی ہے۔ سخن سنج، بے رنج، خوش گو، نازک فہم، باریک بیں، نیک خو، جمع ہوتے ہیں۔ لوگ ان سے، وہ لوگوں سے لطف اٹھاتے ہیں۔ تلامذہ مرزائے ممدوح خدمت کو حاضر، کورے کورے مدار یئے، دم بہ دم گلوریاں ورق لگی، کتھا بسا، چونا سنگ مرمر کا متواتر۔ قبل از غزل خوانی، افیون کا چرچا ہوتا ہے۔ کوئی پیتا ہے، کوئی کھاتا ہے۔ اگر چاہ کسی کو چائے کی ہوئی، دودھ پیتے بچے تک شیر چائے موجود کر دی۔ ہمیشہ صبح اس شام کے جلسے کی ہو جاتی ہے، طبیعت نہیں گھبراتی ہے۔ گھر جانے والوں کو صدائے مرغِ سحر ندائے اللہ اکبر آتی ہے۔ ہر چند سب لوگ یہاں کے قہر ہیں، مگر یہ بزرگوار زینتِ شہر ہیں۔ اور لکھنؤ کے جیسے بازاری ہیں، کسی شہر کے ایسے ہفت ہزاری ہیں۔

حاسدوں کے خوف سے یہ مذکور مختصر کیا، اگر زیادہ لکھتا، قصہ ہوتا۔ کوتاہ بیں لکھنؤ کے نام سے چڑھ جاتے ہیں، رشک کھاتے ہیں، افترا پردازی کرتے ہیں، جل مرتے ہیں۔

اچھے آغاز کا انجام بخیر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ مشقت کسی کی بیکار نہیں کھوتا ہے۔

یہ فسانہ بعہدِ دولتِ شاہ غازی الدین حیدر شروع ہوا تھا۔ اور تمام بعہدِ سلطان بنِ سلطان ابوالنصر نصیر الدین حیدر دام ملکہٗ ہوا۔ اللہ اللہ! یہ عجب شاہِ جمجاہ اریکہ نشین ہوا کہ حاتم کا نام صفحۂ سخا سے مثلِ حرفِ غلط مٹا دیا۔ فقیروں کو امیر بنا دیا۔ عیش و نشاط کی طرف طبیعت جو آئی، ایک ایک ادنیٰ کنجڑن ہفت ہزاریوں سے اعلیٰ بنائی، محمد شاہ کی گور تھرّائی۔ شہزادیوں کو کہاریوں پر رشک آیا، خواصوں کو صاحبِ نوبت کیا، چنڈول سکھپال میں چڑھایا۔ ہزار بارہ سے جلسے والی جو روش، برق کردار، کبک رفتار، نغز گفتار، از پا تا فرق، دریائے جواہر میں غرق، ہر دم دست بستہ روبرو کھڑی رہی، جہان کی نعمت ان کے سامنے پڑی رہی۔ اصیلوں کو کروڑوں روپے دیے، پیش خدمتوں نے بادشاہت کے چین کیے۔ قدیہ نخل پہ طبیعت جو آئی، معارفتِ بستانِ فلکِ مفخم پہ پہنچائی۔ کئی کروڑ روپے اس منظورِ نظر نے صرف کیے۔ خزانے خالی کر محتاجوں کے گھر بھر دیے۔ ہر وقت راجا اندر کا جلسہ رہا، نہروں میں عطر بہا۔ مکان اس طرح کے بنوائے کہ فلکِ گرداں نے صدقے ہو کر چکر کھائے۔ اندراسن گلشنِ ارم کہ ایسا باغ اور اس طرح کی کوٹھی چشم و گوش عالم نے دیکھی نہ سنی۔ دوازدہ امام کی درگاہ ایسی بنائی کہ چرخِ گرداں کو اور، خواب میں نظر نہ آئی۔ اندراسن میں عطر کا حوض چھلکتا رہا۔ تمام شہر مہکتا رہا۔ مغلانیوں نے گوٹے کنارے کی کترنوں سے چاندی سونے کے محل اٹھائے۔

خاصے والیوں نے لونگ، الائچی، زعفران کے اپنے گھروں میں خاصے ڈھیر لگائے۔

ملّا خیاط مالِ دنیا سے مالا مال ہے، استغنا کا دم بھرتا ہے، سینا تو کیا، ٹانکا کم بھرتا ہے۔

بجز غمِ حسین، شہریار کو اندوہ و غم نہیں۔ کون ہے جو اس زمانے میں شاد و خرّم نہیں۔

اربعین تک عزاداری ہوتی ہے، خلقِ خدا ماتمِ حسین میں روتی ہے۔ لاکھوں روپیہ اس راہ میں صرف ہوتا ہے، چالیس شب کوئی نہیں سوتا ہے، تخمِ عملِ نیک مزرعۂ آخرت میں

ہوتا۔ سروزِ تولدِ ہر امام و شبِ وفاتِ جگر بندانِ خیر الانام لاکھ لاکھ روپے کا صرف ہے، اسکی ہمّت کے آگے فیّاضانِ گذشتہ پر حرف ہے۔ حسنِ صورت، شوکت و حشمت، جاہ و ثروت، جتنی دنیا کی خوبیاں ہیں، اللہ نے سب دی ہیں۔ ہر شب، شبِ برات، روز عیدین کے ہیں۔ سیرِ دریا کی دفعتاً جو لہر آئی گنگا سے نہر منگائی۔ اس میں بھی غربا نہال، کارندے مالا مال ہو گئے۔ بسکہ خامۂ مولّف اختصار رقم ہے، مگر جتنا اس کی صفت میں لکھیے بہت کم ہے۔

الٰہی! بحرمتِ سیّدِ ابرار، احمدِ مختار و بہ تصدقِ ائمہ اطہار، لکھنؤ کو آباد رکھ، والیِ ملک کو یہاں کے کارفرما، رعیّت پرور، سریرِ حکومت پر دل شاد رکھ۔ جب تک گنگا جمنا میں پانی بہے یہ خطۂ دلچسپ، فرح افزا آباد رہے۔ ؎

الٰہی لکھنؤ بستا رہے دورِ قیامت تک

سرورِ دشتِ پیما کا کبھی وہ شہر مسکن تھا

بندہ کمترین تلامذہ اور خوشہ چینِ خرمنِ سخنِ جناب قبلہ و کعبہ، استادِ شاگرد نواز، معزز و ممتاز، مجمعِ فضل و کمال، نیک سیرت، فرخندہ خصال، خرد آگاہ، دانش آموز، یادگارِ جنابِ میر سوزؔ، عرفیِ عصر، سعدیِ زماں، رشکِ انوری و خاقانی، آغا نوازش حسین خاں صاحب عرف مرزا خانی، تخلص نوازشؔ کا ہے۔ حقیقتِ حال یہ مقال ہے کہ طرزِ ریختہ اور روزمرّہ اردو کا ان پر ختم ہے۔ شعر اُن کے واسطے، وہ شعر کی خاطر موضوع ہیں۔ کہنے کے مادہ پڑھنے کا یہ رنگ ڈھنگ ہے، اگر طفلِ مکتب کا شعر زبانِ معجز بیان سے ارشاد کریں، فیضِ دہان، تاثیرِ بیان سے پسندِ طبع سحبانِ وائل ہو۔ فی زمانِنا تو کیا، سابعین جو موجدِ کلام کو سن رلمن الملک بجاتے تھے، ان کے دیوانوں میں دس پانچ شعر تناسبِ لفظی یا صنائع بدائع کے ہوں گے۔ وہ ان پر نازاں تھے اور متاخرین فخریہ سند گردانتے ہیں۔ لہٰذا جس شخص کو فہمِ کامل یا اس فن میں مرتبۂ کمال حاصل ہو اور طبع بھی لی ہو۔ آپ کا دیوان بچشمِ انصاف و نظرِ غور سے دیکھیے، کوئی غزل نہ ہو گی جو ان کیفیتوں سے خالی ہو۔ ہر مصرع گواہِ ہزار صنعت، ہر شعر شاہدِ معانی

باکیفیت، مطلع سے مقطع تک ہر غزل پری کی صورت۔ اکثر اشعار آپ کے تبرکاً و تیمناً بطرقِ یادگار بندے نے لکھے ہیں۔

باعثِ تحریرِ اجزائے پریشاں
و
سرگذشتِ مجمعِ دوستاں، مکلّفِ ہونا محبوب کا، بیان داستانِ مرغوب کا

حسبِ اتفاق ایک روز چند دوستِ صادق و محبِ موافق باہم بیٹھے تھے۔ مگر نیرنگیِ زمانہ ناہنجار و کجرویِ فلکِ سفلہ پرور، دوں نواز، جفا شعار سے سب بادلِ حزیں و زار اور ہجومِ اندوہ و یاس سے اور کثرتِ حرمان و افکار سے کہ ہر دم یہ پاس تھے، دل گرفتہ، سینہ ریش اور اداس تھے۔ یہ ذکر برزبان آیا کہ شعبدہ بازیِ چرخِ مکار از آدم تا ایں دم یوں ہی چلی آئی ہے اور تفرقہ پردازی اس کی سوائے رنج و محن زیادہ مشہور ہے، یہ اور برائی ہے۔ مگر یہی غنیمت جانیے اور لازم ہے کہ اس کا بھی احسان مانیے کہ تم ہم اِس دم باہم تو بیٹھے ہیں۔

واقعی شدّتِ رنج و الم میں دوستِ صادق، یارِ موافق ہم نشیں ہو تو کچھ خیال میں نہیں آتا ہے اور صحبتِ غیر جنس میں تختِ سلطنت، تختہ، تابوت سے بدتر ہو کے کاٹے کھاتا ہے۔

لیکن زمانے کی عادت یہی ہے کہ باوجود کثرتِ غم و شدّتِ اندوہ و الم، دو شخص باہم نہیں دیکھ سکتا۔

جب سلسلۂ سخن یہاں تک پہنچا، اس زمرے میں ایک آشنائے باصفا پر مزہ بندے کے تھے۔ انھوں نے فرمایا، "اس وقت کوئی قصہ یا کہانی بہ شیریں زبانی ایسی بیان کر کہ رفعِ کدورت و جمعیتِ پریشانیِ طبیعت ہو اور غنچۂ سربستۂ دل باہتزازِ نسیمِ تکلم کھل جائے"

فرماں بردار نے بجز اقرار، انکار مناسبِ وقت نہ جانا، چند کلمے گوش گذار کیے۔

وہ باتیں انھیں بہت پسند آئیں، کہا، "اگر بہ دلجمعی تمام تو اِس پراگندہ تقریر کو از آغاز تا انجام قصّے کے طور پر زبانِ اردو میں فراہم اور تحریر کرے تو نہایت منظورِ نظرِ اہلِ بصر ہو، لیکن تقصیر معاف ہو، لُغت سے صاف ہو۔"

بندے نے کہا: "طبیعتِ ابنائے روزگار بیشتر متوجّہ عیب جوئی و ہنر پوشی ہے۔"

وہ بولے، "چشم داشتِ صلہ، طلبِ اُجرت کسی سے مقصود نہیں، فقط ہماری خوشی مدِّنظر رکھ۔ جیسا رطب و یابس کہے گا ہمیں پسند ہے، بشرطیکہ جو روزمرہ اور گفتگو ہماری تمہاری ہے یہی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ آپ رنگینیِ عبارت کے واسطے دقّت طلبی اور نکتہ چینی کریں۔ ہم ہر فقرے کے معنی فرنگی محل کی گلیوں میں پوچھتے پھریں۔"

بندے نے کہا، "یہ تو مقدّمۂ تحریر ہے۔ اگر سرکار کے کام آئے، جائے تعذر نہیں، مگر جلدی نہ کرنا، بوقتِ فرصت لکھوں گا۔"

وہ تو یارِ شاطر، نہ بارِ خاطر تھے، قبول کیا۔ اسی دن سے ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا۔ عدمِ فرصت سے نہ کہتا تھا۔ آخر الامر بمقتضائے عادت تلاشِ معاش کے حیلے میں فلکِ تفرقہ پرداز گردونِ عربدہ ساز نے صورت مفارقت کی دکھائی، مہاجرت استقبال کو آئی۔ ربیع الثّانی کے مہینے میں کہ سنِ ہجری نبوی صلے اللہ علیہ وسلم بارہ سے چالیس تھے آنے کا اتفاق مجبور، کوردہ، کانپور میں ہوا۔ بسکہ یہ بستی پوچ دلچر ہے، اشراف یہاں عنقا صفت ناپید ہیں اور جو ہوں گے تو گوشہ نشین، عزلت گزیں۔ مگر چھوٹی اُمّت کی بڑی کثرت دیکھی۔ یہ طور جو نظر آیا، دلِ وحشت منزل سخت گھبرایا، کلیجہ منہ کو آیا۔ قریب تھا جنوں ہو جائے، تیرہ بختی سے روزِ سیاہ پیش آئے، لیکن یہ شربتِ عنایت و معجونِ شفقتِ ارسطو فطرت، بقراط حکمت، حکیم سید اسد علی صاحب شیر بیشۂ علم و کمال، سخن فہم، خوش خصال طبع سودا خیز اور سرِ جنوں انگیز کو آرام و تسکین حاصل ہوئی۔ وہ اکثر حالِ فقیرِ دلگیر پر الطاف و کرم فرماتے تھے، تدبیریں نیک و احسن دافعِ رنج و محن بتاتے تھے۔

ایک روز ان سے بعد اظہارِ حالِ مکلّف فسانہ دوستانہ یہ بھی کہا کہ ایک کہانی

لکھا چاہتا ہوں۔" سن کے فرمایا، "بیکار مباش کچھ کیا کر۔"

اس وقت یہ کلمہ توسنِ طبع کو تازیانہ ہوا۔ اگرچہ اس ہیچ میرزہ کو یہ یارا نہیں کہ دعوا اردو زبان پر لائے۔ یا اس فسانے کو بہ نظرِ استاری کسی کو سنائے۔ اگر شاہجہاں آباد کہ مسکنِ اہلِ زبان، بیت السلطنتِ ہندوستان کبھی تھا، وہاں چندے بود و باش کرتا، فصیحوں کو تلاش کرتا تو فصاحت کا دم بھرتا، جیسا میر امّن صاحب نے چار درویش کے قصے میں بکھیڑا کیا ہے کہ ہم لوگوں کے ذہن کے حصے میں یہ زبان آئی ہے۔ دلّی کے روڑے ہیں پر محاوروں کے ہاتھ پاؤں توڑے ہیں۔ پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر۔ یہی خیال انسان کا خام ہوتا ہے، مفت میں نیک بدنام ہوتا ہے۔ بشر کو دعویٰ کب سزاوار ہے، کاملوں کو بیہودہ گوئی سے انکار بلکہ ننگ و عار ہے۔ وہی مثل سننے میں آئی کہ اپنے منہ سے دھنّا بائی۔ لیکن تحریر اس کی ایفائے تقریر ہے یہ قصہ دلچسپ، بے نظیر ہے۔ امیدِ ناظرینِ پُر تمکین سے یہ ہے کہ بچشمِ عیب پوشی و بہ نظرِ اصلاح ملاحظہ فرما کر جہاں سہو یا غلطی پائیں بہ اصلاح مزیّن فرمائیں کیسی ہی طبیعت عالی ہو، ممکن نہیں جو بشر خطا سے خالی ہو۔ اس کے مطالعہ سے خاطرِ عاطر اگر شاد ہو، عاصی دعائے خیر سے یاد ہو۔ نیازمند کو اس تحریر سے نمودِ نظم و نثر وجودتِ طبع کا خیال نہ تھا، شاعری کا احتمال نہ تھا بلکہ نظرِ ثانی ہیں جو لفظ دِقّت طلب، غیر مستعمل عربی فارسی کا مشکل تھا، اپنے نزدیک اسے دور کیا اور جو کلمہ سہلِ ممتنع محاورے کا تھا، رہنے دیا۔ دوست کی خوشی سے کام رکھا "فسانہ عجائب" اس کا نام رکھا۔

آغازِ داستان

نادر بیانِ صاحبِ سریرِ سلطانی، مالکِ اورنگِ کامرانی
زینتِ تاج و تخت، شاہنشاہِ گردوں بارگاہ، شاہ فیروز
بخت اور پیدا ہونا شاہ زادہ جانِ عالم کا اور شادی ماہ طلعت سے۔

گرہ کشایانِ سلسلۂ سخن و تازہ کنندگانِ فسانۂ کہن یعنی محررانِ رنگین تحریر و مورخانِ جادو تقریر نے اشہبِ جہندۂ قلم کو میدانِ وسیعِ بیان میں ہاکر شمۂ سحر ساز و لطیفہائے حیرت پرداز گرمِ عنان و جولان یوں کیا ہے کہ سرزمینِ ختن میں ایک شہر تھا، مینو سواد، بہشت نژاد، پسندِ خاطرِ محبوبانِ جہاں، قابلِ بود و باشِ خوبانِ زماں، شمیم اس کی معطر کنِ دماغِ جاں، مسکنِ التہابِ قلب، دافعِ خفقان، زمین اس کی رشکِ چرخِ بریں، رفعت و شان چشمک زنِ بلندیِ فلکِ ہفتمیں، گلی کوچہ خجلت دہِ گلشن آبادیِ گلزارِ بسانِ تختۂ چمن۔ بازار ہر ایک بے آزار، مصفّا ہموار، دوکانیں نفیس، مکان نازک پائدار، خلقِ خدا با خاطرِ شاد، اسے فسحہ آباد کہتی تھی، سب طرح کی خلقت رغبت سے اس میں رہتی تھی۔ والیِ ملک وہاں کا شاہِ گردوں وقار، پرتمکیں، با اقتدار، سکندر سے ہزار خادم، دارا سے لاکھ فرماں بردار، قباد شوکت، کاؤس حشم، مالکِ تاج و تخت، والا مرتبت، عالی مقام، شاہنشاہِ فیروز بخت نام۔

موجِ بخشش سے اس بحرِ جود و عطا کے، سائلانِ لبِ تشنہ سیراب اور نائرۂ غضب کے شعلے سے دشمنِ بد باطنِ جگر سوختہ بیتاب۔ دبدبۂ دادِ دہی و غلغلۂ عدالت سے دشمن، دوستِ جانی، چور مسافر کے مال کا نگہبان، ڈکیتوں کو عہدۂ پاسبانی۔ ملک وافر، سپاہ افزوں از قیاس، خزانہ لا انتہا، وزیر دامیر جاں فشاں، تاج بخش و باج ستاں۔ محتاج اور

فقیر کا شہر میں نام نہیں، داد و فریاد آہ و نالہ سے کسی کو کام نہیں۔ رعیت راضی، سپاہ جاں نثار، دوست شاداں، دشمن خائف، شمع کا چور پرِ محفل لرزاں۔ اس نام سے یہ ننگ تھا کہ امیروں کا چور محل نہ ہونے پایا تھا، دُزدِ حنا کا رنگ نہ جمتا تھا۔ سرِ دست ہاتھ باندھا جاتا تھا۔ آنکھ چُرانے سے لوگ چشمک کرتے تھے، کارِ خیر سے اگر کوئی جی چراتا تو اس پر تہمت دھرتے تھے۔ لیکن بایں حکومت و ثروت کاشانۂ امید کا چراغ گل تھا، اولاد بالکل نہ تھی۔ خواہشِ فرزند درِ دل، نہ ہونے کی کاہش متصل۔ لڑکے کی تمنا میں بادشاہ مثلِ گدا دست دراز، ایسا لاپرواہ، بے نیاز کی قدرت سے بانیاز۔ آخرش جنابِ باری میں تضرّع و زاری اس کی منظور ہوئی، لاولدی کی بدنامی دور ہوئی۔ ساٹھ برس کے سن میں گوہرِ آبدار، دُرِ شاہوار صدفِ بطنِ بانوے خجستہ اطوار سے پیدا ہوا۔ چھوٹا بڑا اس کی صورت کا شیدا ہوا۔ اس روح افزا کا فیروز بخت نے جانِ عالم نام رکھا، شب و روز پرورش سے کام رکھا۔ حسن اللہ نے یہ عطا کیا کہ نیرِ اعظم چرخِ چہارم پر رعبِ جمال سے تھرّایا اور ماہ باوجودِ داغِ غلامی تابِ مشاہدہ نہ لایا۔

نجومی، پنڈت، جفرداں حاضر ہوئے۔ بہت سوچ بچار کر برہمنوں نے عرض کی: "مہاراج کا بول بالا، جاہ و حشم مرتبہ دوبالا، اعلیٰ رہے۔ ہماری پوتھی کہتی ہے، بھگوان کی دیا سے شہزادے کا چندرماں بلی ہے، جو گرہ ہے وہ بھلی ہے۔ دیگ، تیگ کا مالک رہے، دھرم مورت یہ بالک رہے۔ جلد راج پر براجے، پرتھمی میں دھوم مچے، ایسی شادی رچے۔ مگر پندرھویں برس مشتری بارھویں آئے گی۔ سنیچر پاؤں پڑے گا۔ ایک پنکھیرو سوئے کے برن میں ہاتھ آئے گا۔ تریا کی کھٹ پٹ سے وہ بچن سنائے گا کہ راج پاٹ چھُڑا، دیس بدیس لے جائے گا۔ ڈگر میں شہزادہ بھٹکے گا، کوئی پاس نہ پھٹکے گا۔ ساتھی چھٹیں، اپنے ڈیل سے ڈانواڈول رہے۔ پھر ایک منکھ بھاگر کا سیوک کرپا کرے، راہ لگائے، کوئی کلنکن جو بھی ہو کشٹ دکھائے۔ وہاں سے جب چھوٹے رانی ملے مہاسندر، وہ چرن پر پران وارے۔ پتا اس کا گیانی گُن کی مُکھتی دے اس سے کبھی ملچھ مارے۔ دکھ میں اڑے آئے، بگڑے کاج بنائے۔ جب اس نگر پہنچے جس کے چت میں گھر چھوڑے تو لابھ بہت ہو، درب گھنے ہاتھ آئیں، دور سب کلیس ہو جائیں۔ پر ایک ہتی

من کا کیٹی استری پر دو چیٹ ہو، گھٹائی کرے، بُجھ پڑیں، نر ناری لڑیں اور کچھ جل میں بھی ہل چل پڑے۔ پریتی لوگ چھٹ جائیں، نگر نگر کھوج میں پھر آئیں، سب بچھڑے مل جائیں، ماتا پِتا کے ڈھنگ آئیں۔ استری تین ہو، دو کا 'پر' مان رہے، ایک کی ہین ہو۔ بڑا راج کرے، دیا دھرم کے کاج کرے۔ گسیّاں کی کرپا سے جان کی کھیر ہے، بڑی بڑی دھرتی کی سیر ہے۔"

یہ سن کر بادشاہ گو نہ ملول ہوا، ان سب کو بقدرِ حال، فراخورِ کمال مالا مال کیا۔ بہ بشاشت تمام سرگرمِ پرورش صبح و شام رہا۔ کوئی برسوں میں بڑھتا ہے، وہ نہالِ نو دمیدہ بستانِ سلطنت گھڑیوں میں بلند و بالا ہوتا تھا۔

چند عرصہ میں تحصیل علم و فضل میں شہرۂ آفاق ہوا۔ جتنے فن سپہ گری ہیں ان کا مشاق کامل، جمیع علوم، ہر فن میں طاق ہوا۔ جل جلالہٗ باپ ویسا، بیٹا ایسا خوب، محبت میں بسانِ یوسف و یعقوب۔ جب وہ ہلالِ سپہرِ شہریاری بدرِ کامل ہوا اور چودھواں برس بھر گیا، جوانوں میں شامل ہوا۔ بہ صلاح و صواب دیدِ ارکانِ سلطنت و ترقی خواہانِ دولت، شادی کی تجویز ہوئی۔ بہ تلاشِ بے شمار و تجسسِ بسیار ایک شہزادی پری پیکر، خوب صورت، نیک سیرت گل اندام، ماہِ طلعت نام ذو دمان والا سے مقرر ہوئی۔ اُس کے ساتھ اس اخترِ تابندہ کو ہم قران کیا۔

ترانہ سنجیٔ عندلیبِ خامہ، گلشنِ بیان

سواری شہزادۂ جانِ عالم میں اور خریدنا توتے کا اور رنج بخشی ماہ طلعت کی توتے سے اور مذکورِ حسنِ انجمن آرا اور شہزادے کا عاشق ہونا۔

بلبلِ نوا سنج، ہزار داستاں، طوطیٔ خامۂ زمزمہ ریزِ خوش بیان لکھتا ہے کہ بعدِ رسمِ شادی، سیر و شکار کی اجازت، سواری کا حکم، شاہ ذوی الاقتدار سے حاصل ہوا۔ ایک روز گزر اس کا گزری میں ہوا۔ انبوہ کثیر جمِ غفیر نظر آیا اور غلغلۂ تحسین و آفریں از زمین تا چرخِ بریں بلند پایا۔ شہزادہ اُدھر متوجہ ہوا۔ دیکھا ایک مردِ پیرِ نحیف، ستر اسّی برس کا سِن، نہایت ضعیف، پنجرا ہاتھ میں لیے کھڑا ہے۔ اس میں ایک جانور مانندِ ساکنانِ جناں سبز پوش، خانہ بدوش، بار منقارِ گل نار، لطیفے لطیف، رنگین اور نکتے قابلِ تعریف، پر تمکین بیان کرتا ہے۔

شہزادے کے دیکھتے ہی توتا اپنے مالک سے بولا "اے شخص! کوکبِ بخت تیرا، افلاسِ برجِ تیرہ سے نکلا، نصیب چمکا، طالع بر سرِ یاری و زمانہ آمادۂ مددگاری ہوا۔ دیکھ! ایسا شہزادہ حاتم شعار، ابرِ گہر بار، متوجہ اس مشتِ پر، ذرّۂ بے مقدار پر ہوا۔ بجائے کہ جانور ہوں اور بلّی کا کھاجا نہیں۔ مگر جو یہ نظرِ عنایت کرے، ابھی تیرا ہاتھ پُر زر ہو، دامن گہر سے بھرے۔

جانِ عالم نے یہ سخنِ ہوش رُبا، کلمۂ حیرت افزا سُن، توتے عقل کے اُڑا، پنجرا اُس طائرِ ہمہ داں، جانورِ سحر بیاں کا ہاتھ میں لے کے مالک سے قیمت پوچھی۔ توتے نے کہا جو حضور کی مرضی۔ جانِ عالم نے لاکھ روپے خلعت کے سوا عنایت کیے اور پنجرا ہاتھ میں لیے، [illegible] کر روانہ ہوا۔ گھر میں جا ماہ طلعت کو توتا دکھا، یہ مصرع انشا کا پڑھا

بازار ہم گئے تھے ایک چوٹ مول لائے

توتے نے شہزادے کو سخنانِ دلچسپ، قصصِ عجیب، حکایاتِ غریب، اشعارِ خوب، خمسہائے مرغوب سُنا، اپنے دامِ محبّت میں اسیر کیا۔ یہ نوبت پہنچی کہ سوتے جاگتے، دربار کے سوا جدا نہ ہوتا۔ جب دربار جاتا پنجرا بہ تاکیدِ حفاظت ماہ طلعت کو سونپ جاتا اور دربار سے دیوانہ وار بہ شوقِ گفتار، بے قرار، جلد پھر آتا۔

ایک دن شہزادہ دربار گیا۔ توتا محل میں رہا۔ اس روز ماہ طلعت نے غسل کیا اور لباسِ مکلّف سے جسم آراستہ، زیورِ پُر تکلّف سے پیراستہ ہو، جواہر نگار کرسی پر بیٹھی۔ ہوا جو لگی، آئینہ میں صورت دیکھ خود محوِ تماشا ہوئی اور بحرِ عجب و نخوت میں آشنا ہوئی۔ خواصوں سے، جلیسوں سے، جو جو دم ساز، محرمِ راز تھیں، اپنے حسن و صورت کی داد چاہی۔ ہر ایک نے موافقِ عقل و شعور تعریف کی۔ کسی نے کہا "ہلالِ عید ہو" کوئی بولی "خدا جانتا ہے دید ہو نہ شنید ہو۔"

جب وہ کہہ چکیں ماہ طلعت نے کہا: "توتا بہت عقل مند، ذی شعور، سیّاحِ نزدیک و دُور ہے، اس سے پوچھنا ضرور ہے۔" مخاطب ہوئی کہ "اے مرغِ خوش خو، طائرِ زمرّد لباس، سُرخ رُو، بذلہ سنج، بے رنج! سچ کہنا، اس سج دھج کی صورت کبھی تیرے وہم و خیال کی نظر سے گذری ہے؟"

اس وقت توتا رنجیدہ دل، کبیدہ خاطر بیٹھا تھا، چپ ہو رہا۔ شہزادی نے پھر پوچھا۔ توتے نے بے اعتنائی سے کہا" ایسا ہی ہو گا"۔ یہ رنڈی معشوق مزاج، طرّہ یہ کہ شہزادے کی جورو، شوہر مالکِ تخت و تاج، برہم ہو کے بولی" میاں مٹھو! جینے سے خفا ہو جو ہمارے روبرو چبا چبا کے گفتگو کرتے ہو؟"

توتے نے کہا" سوال و جواب اور، دھمکانا اور حکومت سے ڈرانا اور، غصے کی آنکھ دکھانا اور ہے، کیوں الجھتی ہو؟ شاید تمھیں سچی ہو۔"

پھر تو شعلۂ غضب کا نونِ سینۂ شہزادی میں مشتعل ہوا، کہا" کیوں جانورِ بدتمیز ناچیز، تیری موت آئی ہے؟ کیا بے ہودہ ٹیں مچائی ہے، واہی تباہی بک رہا ہے، ہمارا مرتبہ نہیں سمجھتا؟"

توتے کے منھ سے نکلا" کیوں اتنا خفا ہوتی ہو؟ اپنا منھ ملاحظہ کرو! صاحب تم بڑی خوب صورت ہو: یہاں تو یہ تمیز بیٹھی تھی کہ جانِ عالم تشریف فرما ہوا۔ عجب صحبت دیکھی کہ شہزادی بہ چشمِ پُرآب و بادلِ کباب، غیظ میں آ، تھر تھرا، توتے سے بحث رہی ہے۔ شہزادے نے فرمایا" خیر باشد؟"

توتا بولا" آج بڑا شر ہے۔ خیر بخیر، مگر حیاتِ مستعار اس وحشی کی اور آب و دانہ قفس میں پینا کھانا باقی تھا۔ اگر آپ اور گھڑی بھر دیر لگاتے، تشریف نہ لاتے تو میرا طائرِ روح گربۂ غضبِ شہزادی سے مجروح ہو، پرواز کر جاتا۔ ہرگز جیتا نہ پاتے۔ مگر پنجرا خالی دیکھ مزاجِ عالی پریشان ہوتا، حسرت و افسوس فرماتے۔ انشا ؎

توتا ہمارا مر گیا کیا بولتا ہوا

ماہ طلعت ان باتوں سے زیادہ مکدّر ہوئی۔ شہزادے سے کہا" اگر میری بات کا توتا صاف جواب نہ دے گا تو اس نگوڑے کی گردن مروڑ اپنے تلووں سے اس کی آنکھیں ملوں گی، جب دانہ پانی کھاؤں پیوں گی۔"

جانِ عالم نے کہا" کچھ حال تو کہو۔"

توتے نے گزارش کی" حضور! یہ مقدمہ غلام سے سنیے۔ آج شہزادی صاحب

اپنی دانست میں بہت نکھر بقا عرؔ "دیکھ آئینے کو کہتی تھی کہ اللہ ری میں" ــ پھر مجھ سے فرمایا، "تو نے ایسی صورت کبھی دیکھی تھی؟" مجھ اجل رسیدہ کے منہ سے نکلا "خدا نہ کرے"۔ اس جرم قبیح پر شہزادی کے نزدیک کشتنی، سوختنی دگردن زدنی ہوں۔"

جانِ عالم نے کہا، "تم بھی کتنے عقل سے خالی، حمق سے بھری ہو، تم تو پری ہو اور جانور کی بات پر اتنا آزردہ ہونا، گو، گویا ہے، پھر طائر ہے، نادانی اس کی ظاہر ہے۔"

میاں مٹھو کو ان باتوں کی تاب نہ آئی۔ آنکھ بدل کے روکھی صورت بنائی اور ٹیں سے بولا، "خداوند نعمت! جھوٹ جھوٹ ہے، سچ سچ ہے۔ ہم سر جس کا کوئی نہیں وہ ذات وحدہٗ لاشریک لہٗ کی ہے۔ اس کے سوا ایک سے ایک بہتر اور بدتر ہے۔ میں نے تو جھوٹ اور سچ دونوں سے بچ کر ایک کلمہ کہا تھا، اگر راستی پر ہوتا، گردن کج کیے سیدھا گور میں سوتا۔"

جانِ عالم نے مجبور ہو کر کہا، "جو ہو سو ہو مٹھو پیارے سچ کہہ دو۔"

توتے نے بہ منتّ عرض کی، "دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز۔ مجھ سے سچ نہ بلوایئے، میرا منہ نہ کھلوایئے۔ نہیں انجامِ راستی حضور کے دشمنوں کو دشت نوردی بادیہ پیمائی، غریب الوطنی، کوچہ گردی نصیب ہو گی۔"

شہزادے نے کہا "یہ جملہ تم نے اور نیا سنایا۔ اب جو کہنا ہے، کہا چاہیے، باتیں بہت نہ بنایئے۔"

اس نے کہا، "میں نے ہر چند چاہا، آپ رنجِ سفر مصائب شہر بہ شہر، ایذائے غربت سے باز رہیں کہ سفر اور سقر کی صورت ایک ہے، اس سے بچنا نیک ہے، مگر معلوم ہوا کہ حضور کے مقدر میں یہ امر لکھا ہے، میرا قصور اس میں کیا ہے۔"

"سنیئے قبلۂ عالم! یہاں سے برس دن کی راہ، شمال میں ایک ملک ہے، عجائب زرنگار، ایسا خطہ ہے کہ مرقعِ خیالِ مانی و بہزاد میں کھنچا ہو گا۔ اور پیر دہقانِ فلک نے مزرعۂ عالم میں نہ دیکھا ہو گا۔ شہر خوب، آبادی مرغوب۔ رنڈی، مرد، حسین، طرح دار

مکانِ بلّور کے، بلکہ نور کے، جواہر نگار۔ عقلِ باریک بیں مشاہدے سے دنگ ہو، خلقت اس کثرت سے بستی ہے کہ اس بستی میں وہم و فکر کو عرصہ تنگ ہو۔ خورشید ہر سحر اس کے دروازے سے ضیا پاتا ہے، بدرِ کامل وہاں دو دن نہیں رہتا، غیرت سے کاہیدہ ہو، ہلال نظر آتا ہے۔ وہاں کی شہزادی ہے انجمن آرا۔ اس کا تو کیا کہنا! کہاں میری زبان میں طاقت اور دہان میں طلاقت جو شمہ مذکورِ شکل و شمائل اس زہرہ جبیں، فخرِ لعبتانِ لندن و چین کا سناؤں۔" لیکن سات سَے خواص، زرّیں کمر، تاجِ دل بری بر سر، ماہ رو، عنبریں مو، سر گروہِ خوبانِ جہاں، جانِ جاں، آرامِ دلِ مشتاقاں اس کی خدمت میں شب و روز سرگرمِ خدمت گزاری بڑی تیاری سے رہتی ہیں۔ اگر ان کی لونڈیوں کو شہزادی صاحب بچشمِ انصاف دیکھیں اور کچھ غیرت کو بھی کام فرمائیں، یقین تو ہے چلّو بھر پانی میں محجوب ہو کر ڈوب جائیں۔"

ماہ طلعت یہ سن کر سُن ہوئی۔ سر جھکا لیا۔ جانِ عالم نے پنجرا اٹھا لیا، دیوان خانے میں لے جا مفصّل حال دریافت کرنے لگا۔ ہر دم، دمِ سرد دلِ پُر درد سے بھرنے لگا۔

توتے کو شہزادے کی طرزِ گفتگو، رنگِ رُو، آنکھ کی تری، ہونٹ کی خشکی، دل کی دھڑک کلیجے کی پھڑک سے کہ یہ نشانِ عشق، گمانِ خبط سب ہیں۔ ثابت ہوا کہ شہزادے کا دل پرزے پرزے اور دماغ عقل سے خالی ہوا۔ خیالِ محالِ وصالِ انجمن آرا بھرا۔ سخت نادم و خجل ہو کر دل سے کہا، "کم بخت زبان نے، حسن کے بیان نے غضب کیا۔ منتر کارگر ہوا، پڑھا، جن سر پہ چڑھا، حضرتِ عشق کا گزر ہوا۔" چاہا کہ یہ لطائف الحیل اس عزم بے جا سے باز رکھے۔ کہا، "اے نادان، دشمنِ جان! یہ قصد لاحاصل ہے۔ عمداً اس کوچے میں پاؤں نہ دھر، اپنے خون سے ہاتھ نہ بھر، بیان اس کا محال ہے، مگر مختصر یہ حال ہے۔ عقل اس کام میں دور ہو جاتی ہے۔ وحشت نزدیک آتی ہے۔ لب خشک، چشم تر، چہرہ زرد، دل خون ہوتا ہے، بھوک پیاس مر جاتی ہے، خواب میں نیند نہیں آتی ہے، جانِ شیریں تلخ ہو، کلیجے میں درد، آخر کو جنون ہوتا ہے۔ لختِ جگر کھاتا ہے، خونِ دل پیتا ہے، مر مر کے جیتا ہے۔ رقیبوں کے طعنوں سے سینہ فگار رہتا ہے، لڑکوں کے پتھروں سے سر گلنار ہوتا ہے۔ دن

کو ذلّت و خواری، شب کو انتظار میں اختر شماری۔ بے قراری سے قرار، سب کی نظر میں ذلیل و خوار، جنگل میں جی لگتا ہے، بستی اُجاڑ معلوم ہوتی ہے، در بہ در پھرنے میں دن تو کٹ جاتا ہے، تنہائی کی رات پہاڑ معلوم ہوتی ہے۔ دل جلتا ہے، دیدے سے دریا اُبلتا ہے۔ شجرِ تمنّا بے برگ و بار رہتا ہے۔ پھولتا ہے نہ پھلتا ہے۔ جوانی کا گھن پیری تک ادھیڑ بُن رہتی ہے۔ گونگا بہرا بن جاتا ہے۔ طبیعت سُن رہتی ہے۔ ابھی پہلی بسم اللہ ہے۔ ٹھنڈی سانسیں بھرتے ہو، لب پر آہ ہے۔ دیکھا نہ بھالا ہے، سینے کے پار عشق کا بھالا ہے۔ آئینہ ہاتھ میں لے منھ تو دیکھو نقشہ کیا ہے، معشوقِ باوفا گوگر دِ سُرخ، لعلِ سپید سے نایاب سوا ہے۔ کہاں ملتا ہے، خاک میں ڈھونڈتے ڈھونڈتے خواہاں ملتا ہے۔

یہ جو زمانے میں مشہور با مہر و وفا ہیں، بانیِ صد جور و جفا ہیں۔ عشق کم بخت بے پیر ہے، اور نوجوان یہی ٹیڑھی کھیر ہے۔ سُنا نہیں کہ کن نے جانِ شیریں کس تلخی سے کھوئی؟ یوسف کی چاہ میں زلیخا نے کیسے کنویں جھانکے، کیا کیا روئی؟ مجنوں کو اس دشت میں جنوں ہوا لیلا کا کیا بگڑا؟ پرویز کا اس کوچے میں خون ہوا۔ شیریں نے کیا کیا گیں۔؟

ذلّت اس کام میں عزّت ہے، درد کا نام یہاں راحت ہے۔ دل اس کشمکش میں ٹوٹ جاتا ہے، رستم کا اس معرکے میں جی چھوٹ جاتا ہے۔ اسفندیار سا روئیں تن ہو تو موم کی طرح پگھل کر بہہ جائے، حسرت ہی حسرت رہ جائے۔ لوگوں نے ہزاروں رنج و صدمے اس کام میں اٹھائے، جب بعدِ خرابیِ بسیار یہی ناتجربہ کار کہلائے۔ لیکن یہ وہ بُرا کام ہے ناکام جس کا آغاز، بدنامی انجام ہے۔ چاہ کنویں جھکواتی ہے، وہ یہ بیماری ہے جو جان کے ساتھ جاتی ہے۔ اور یہ قصّہ جو میں نے کہا، فقط بات کی پچ کا جھگڑا تھا، ورنہ کہاں ملکِ زرنگار کجا شہزادیِ عالی تبار۔"

جانِ عالم نے کہا "استغفر اللہ! اگر وہ جھوٹ تھا تو یہ فقرہ کب سچ ہے، یہ تو نری گھڑ بچ ہے!"

اس تقریر میں یہ حال ہوا کہ دل میں درد، چہرہ زرد ہونے لگا۔ لب پر آہِ سرد، گرفتارِ رنج و تعب، عشق کے آثار سب ظاہر ہوئے۔

توتا یہ حال دیکھ کر محجوب ہوا کہ ناحق رنڈی کی کج بحثی سے شہ زادے کو مرگ کا مستعد کیا۔ بیٹھے بٹھائے خونِ بے گناہ اپنی گردن پر لیا۔ اب اس طرح کا سمجھانا، مانع ہونا ——— اُبھارنا بھڑکانا بلکہ زرا جلانا ہے، گھبرا کر تسکین و تشفّی کرنے لگا۔ اور زخم شمشیرِ عشق کو مرہم مژدۂ وصال سے بھرنے لگا۔ کہا، "آپ ہوش و حواس بجا رکھیے، اگر مجھے ایسا سچا جانا کہ میرا جھوٹ، سچ مانا، اس شرط سے آپ کو لے چلوں گا، جو میرا کہا نہ مانو گے، زک اٹھاؤ گے، دھوکا کھاؤ گے، پھر مجھ کو نہ پاؤ گے، پچھتاؤ گے۔"

جانِ عالم نے فرمایا، "اے رہبرِ کامل، رنج کے غم گسار، راحت کے شامل! تیرے جادۂ اطاعت سے ہرگز قدم باہر نہ دھروں گا، جو تو کہے گا وہی کروں گا، مگر جلد حالِ مفصل اور بُعدِ منازل و سمتِ شہر دوست سے نشانِ کامل دے۔"

توتے نے کہا، "اضطراب کا کام خراب ہوتا ہے، ناحق حجاب ہوتا ہے۔ اتنی جلدی موقوف کیجیے، آج کی رات اس شہر میں کاٹ، صبح ادھر کی راہ لیجیے۔ اگر گردشِ صادق اور طالع بھی موافق ہے، انشاء اللہ منزلِ مقصود کو پہنچیں گے۔ عزم بالجزم درکار ہے۔ درِ شہر پناہ پر خانہ بار ہے۔"

آخر ش تاثیرِ دعائے سحری، اثرِ نالۂ نیم شبی سے ظلمتِ شب بہ نورِ روز منوّر ہوئی وزیر زادے کو باوجودِ خود فراموشی یاد فرمایا۔ لڑکپن سے تا زمانۂ عشقِ انجمن آرا، اس نے بھی الفت رکھتا تھا۔ جب وہ حاضر ہوا، حکم کیا، "دو گھوڑے صبا رفتار، برق کردار، جن کی جھپٹ نسیمِ تندرو کو کھنڈل ڈالے، ان کے قدم سے کیتِ صرصر کی ڈپٹ پاؤں نہ آگے نکالے۔ جلد لا۔" بمجرّدِ ارشاد، اصطبلِ خاص میں جا گھوڑے لایا۔ کچھ اسبابِ ضروری وہ بھی بہ مجبوری لے کے وہ دونوں ختہ تن، بہ قولِ میر حسن چل نکلے۔

نہ سدھ بدھ کی لی اور نہ منگل کی لی
نکل شہر سے راہ جنگل کی لی

پہلا سفر عازمِ شہرِ دل دار کا مع وزیر زادہ اور رہبر ہونا توتے کا،
ہرن کا ملنا اور تفرقہ باہم کا، ملاقات مرشدِ کامل کی، پھر عوض میں کودنا شہ زادے کا،
طلسم کی گرفتاری، جانِ عالم بے قراری، پھر بدولتِ نقشِ سلیمانی رہائی پانی۔

بادیہ پیمایانِ مرحلۂ محبت و صحرا نوردانِ منازلِ مودت، رہ روانِ دشتِ اشتیاق وطے کنندگانِ جادۂ فراق، مسافرانِ بارِ ناکامی بر دوش، بجز راہِ کوچۂ یار دین و دنیا فراموش۔ عشق سر پر سوار، خود پیادہ از زیست سے دل سیر، مرگ کے آمادہ، لکھتے ہیں کہ جب بایں ہیئتِ کذائی، دہ پروردۂ دامنِ ناز و آغوشِ شاہی گھر سے نکلا اور درِ شہر پناہ پر پہنچا، پھر کر عمارتِ سلطانی، بسے ہوئے شہر کو بہ نظرِ پریشانی دیکھ آہِ سرد کھینچی۔ غریب الوطنی پر کمر ہمت چست کی اور فراقِ یارانِ وطن میں دل کھول کے خوب رو دیا۔ پھر فاتحہ خیر پڑھ کر آگے بڑھا، توتے کو پنجرے سے کھول دیا۔ گھوڑوں پر شہ زادہ اور وزیر زادہ، سمندِ صبا پر میاں منقو پیادہ نیا دانا کھاتے، نیا پانی پیتے روانہ ہوئے۔

بعد طیِ منازل، و قطعِ مراحل ان کا گذر ایک دشتِ عجیب، صحرائے غریب میں ہوا۔ ہر تختہ جنگل کا بہ روشِ باغ تھا۔ جو پھول پھل تھا، تازہ کنِ دل، معطر نمائے دماغ تھا۔ شہ زادہ شگفتہ خاطری سے صناعی باغبانِ قضا و قدر کی دیکھتا جاتا تھا۔ ناگاہ ایک سمت سے دو ہرن، برق وش، صبا کردار، سبک جست، تیز رفتار سامنے آئے۔ زر بفت کی جھولیں پڑیں، جڑاؤ سنگوٹیاں جڑیں، چھم چھم کرتے، چوکڑیاں بھرتے۔ جانِ عالم بے چین ہوا، وزیر زادے سے کہا: "کسی طرح ان کو جیتا گرفتار کیجیے۔" اس سعی میں گھوڑے ڈالے۔ یا تو وہ اپنی وضع پر چلے جاتے تھے، جب گھوڑوں کی آمد دیکھی، سنبھل، کنوتیاں بدل، چوکڑی تیز باجست و خیز بھرنے لگے انہوں نے گھوڑے ڈپٹائے، ان کا گھوڑا ڈپٹانا، وہ طائر فرزانہ، چوکڑی بھول کے پکارا، "ہاں ہاں اے نوجوان! کیا غضب کرتا ہے، یہ دشتِ پر سحر ہے، بے ہودہ کیوں قدم دھرتا ہے!" ہر چند پکارا، سر دے مارا، مگر نقارے میں کسی نے نہ سنا، توتے نے سر دھنا اور مجبور ایک درخت پر بیٹھ رہا۔ دو چار کوس دونوں ہرن ساتھ بھاگے، پھر ایک اور سمت، دوسرا ر

طرف چلا۔ ایک گے ساتھ شہ زادہ، دوسرے کے تعاقب میں وزیر زادہ، یہ بھی جدا ہوئے۔ القصہ تا غروبِ آفتاب، وہ شمسِ سپہرِ سلطنت گھوڑا بگٹٹ پھینکے گیا۔ دفعتاً ہرن نظر سے غائب ہوا۔ اس نے باگ روکی۔ گھوڑا عرق عرق، خود پسینے میں غرق۔ وزیر زادہ نہ توتا۔ آب یا دشت پرخطر۔ گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ کچھ آگے بڑھا، چشمۂ آب نظر پڑا۔ گھوڑے سے کود، ہاتھ منھ دھویا، اپنی تنہائی پر خوب رویا۔ اسی حال گریہ وزاری میں دستِ دعا بہ جنابِ باری اٹھا کر پکارا "اے کسِ بے کساں واے مددگارِ رہ گم کردگاں! مجھ خستہ و پریشاں، دور افتادہ از یاراں کی رہبری کر۔ تیرے بھروسے پر سلطنت کو خاک میں ملا، گھر سے ہاتھ اٹھا، آوارۂ صحرائے غربت، مبتلائے رنج و مصیبت ہوا ہوں!"

یہ کہہ کر زار زار مانندِ ابرِ نوبہار رونے لگا۔ فریاد و زاری، تڑپ اور بے قراری اس کی بہ درگاہِ مجیب الدّعوات قبول ہوئی۔ ایک پیر مرد، سفید داڑھی والے، سبز عمامہ سر پر، عبائے عنابی کندھے پر ڈالے ہاتھ میں عصا، خضر صورت، بزرگ سیرت، پارسا، وارد ہو، پکارے، "السّلام علیک اے نوبادۂ چمنِ سلطنت، واے گرفتارِ محنت و محبّت!"

شہزادے نے آنسو پونچھ سلام کا جواب دیا۔ پیر مرد نے فرمایا "اے عزیز! کیا حاجت رکھتا ہے، بیان کر!" یہ سن کر ایسا خوش ہوا کہ رنج، راہ بھولنے کا بھولا۔ وزیر زادے اور تحتے کی جدائی ابھی یاد نہ آئی۔ کہا "آپ کو قسم اسی کی جس نے میری رہبری کو بھیجا ہے، جلد نشانِ ملکِ زرنگار دکھا دیجیے، درِ دلدار تک پہنچا دیجیے۔" اس ستودہ صفات نے کہا "ابھی بلائے ناگہانی، آفتِ آسمانی سے نجات نہیں پائی، معشوق یاد آئی!"

جانِ عالم نے کہا "کوئی آفت و ستم بلائے ہجرِ جاناں، اور مفارقتِ دوست سے سوا نہیں ہے۔" اس صاف باطن نے فرمایا "صاحب زادے! یہ صحرائے غضب، دشتِ پرتعب ہے۔ ہر تختہ اس کا دامِ ستم، گل اور بوٹا زرا خارِ غم والم ہے۔ یہاں کا پھنسا الجھا، حشر تک نہیں چھوٹتا یہ سب کارخانۂ طلسم ہے۔"

شہزادے نے کہا "ہم سحرِ محبت میں گرفتار ہیں، ہمیں جینا مرنے سے فزوں ہے، دل کا حال دگرگوں ہے۔"

اس کریم النفس کو اس کے حال پر رحم آیا۔ فرمایا۔ "بدحواس نہ ہو، نظر بہ خدا رکھ کہ وہ چارہ سازِ عالمین، جامعُ المتفرقین ہے۔"

شہزادے نے کہا، "فی الحقیقت، مگر برائے خدا ایک نظر ملکِ زرنگار اور وہ معشوقِ طرح دار اگر نظر آئے، جانِ زار بچ جائے۔ زیست کا کیا اعتبار ہے، مرگ ہر دم ہم کنار ہے حسرتِ دید تو نکل جائے۔"

اس خدا پرست نے فرمایا، "آنکھ بند کر"۔ پلک سے پلک شہزادے کی لگی، ملک زرنگار میں گزارا ہوا اور صورت اس حور کردار کی نظر پڑی۔ بحسرت نگاہ دل سے آہ کی۔ بے ہوشی ساری، غشی طاری ہوئی۔ مردِ بزرگ نے سمجھایا، "اس امرِ لاطائل سے کیا حاصل؟ زندگی درکار ہے، ایک روز دوست بھی ہم کنار ہے۔"

سمجھانے سے اتنی تسکین ہوئی کہ آنکھ کھلی۔ رات ہو گئی تھی، پیر مرد نے کچھ کھلا، لب چشمہ سلایا۔ جس وقت افق کے چرخ سے راہ گم کردۂ مسافرِ مغرب یعنی آفتابِ عالم تاب جلوہ افروز ہو حصۂ چہارم آسمان پر آیا۔ شہزادے کی آنکھ کھلی، وہاں آپ کو پایا، جہاں سے ہرن کے پیچھے گھوڑا اٹھایا تھا۔ سجدۂ شکر ادا کر، سرگرمِ رہِ دوست ہوا۔ راہ کا پتا، اس رہبرِ خیلِ سبز پوشان سے پوچھ لیا تھا، قدم بڑھایا۔ جاتے جاتے ایک روز آفتاب کی تمازت بدرجۂ اتم تھی، پیاس کی شدت ہوئی۔ آب وہاں گوہرِ نایاب تھا، خضر تک اس دشت میں لاعلاج، پانی کا محتاج تھا۔ زبان میں کانٹے پڑے۔ ریت کی گرمی سے تلوے جلتے تھے، دو گام قدم نہ چلتے تھے۔ لُوں کا شعلہ یہ سرگرمِ آزارِ جگر سوختگاں تھا کہ پرندے پتوں میں منہ چھپاتے تھے۔ کوسوں درندے نظر نہ آتے تھے۔ دشت کورۂ آہن گراں تھا، ہر طرف شعلۂ جوالہ عیاں تھا۔ ریگِ صحرا کیفیتِ دریا دکھاتی تھی، پیاسوں کی دوڑ دھوپ میں جان جاتی تھی۔ صدائے زاغ وزغن سے سناٹا، دھوپ کا تڑاقا۔ دشت کا پتھر تپنے سے انگارا تھا، جانور ہر ایک پیاس کا مارا تھا۔ وہ تابشِ شمس، جس سے ہرن کا لاہو، مذکور سے زبان میں چھالا ہو۔ بادِ سموم سے وحشیوں کے منہ پر سیہ تاب تھا، لوں سے کادِ زمین کا جگر کباب تھا۔ مچھلیاں پانی میں بھنتی تھیں، جل جل کر کنارے پر سر دھنتی تھیں۔ سرطانِ فلک جلتا تھا، کیکڑا لبِ دریا ابلتا تھا۔ سوکھے پتے کھڑکھڑاتے تھے، جانور پر کھوے پھڑپھڑاتے تھے

چارپائے ایک سمت ہانپتے تھے، گرمی کے خوف سے کانپتے تھے۔ یہ حرارت مسکوئی تھی کہ دوستوں کی گرمی سے جی جلتا تھا، مسافرِ وہم پائے گمان سے راہ نہ چلتا تھا۔ خورشیدِ حشر کی طرح آفتاب تاباں تھا، صحرائے قیامت وہ بیاباں تھا۔ اسی حالِ خراب میں شہزادہ، سرگشتہ، دل برشتہ حیران، پریشان، ایک طرف درخت گنجان، سایہ دار دیکھ کر آیا تو وہاں حوضِ مصفّا پانی سے ملتب پایا۔ پانی دیکھ کر جانِ رفتہ تن میں آئی، آنکھوں نے لہروں سے ٹھنڈک پائی۔ گھوڑے سے اترا، پانی پینے کو جھکا، چرخ نے نیرنگی دکھائی، وہی معشوقہ، مرغوبہ، مطلوبہ، جس کے سبیل تلاش میں، غریقِ محیطِ الم، گرفتارِ لطمۂ غم، مثلِ پرِ کاہ بہا بہا پھرتا تھا، حوض میں نظر آئی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی وہ بولی، "اے شناورِ بحرِ محبت، واے غوّاصِ چشمۂ الفت! دیر سے تیری منتظر تھی، للہ الحمد! تو جلد پہنچا تامل نہ کر، کود پڑ۔"

کودتے ہی سر تلے، ٹانگیں اوپر، غلطاں، پیچاں، تحت الثریٰ کو چلا۔ گھڑی بھر میں تہ کو پانو لگا۔ آنکھ کھولی، نہ حوض نہ نظر آیا نہ اس دُرِ شہوار کو پایا، مگر صحرائے لق و دق، جسے دیکھ کر رستم و اسفندیار کا رنگ فق ہو، دیکھا۔ اس وقت سمجھا، دوسری زک اٹھائی۔ آگے چلا، دور سے چار دیواری معلوم ہوئی، جب قریب آیا، باغ اور عمارت مفصّل دیکھی۔ درِ باغ بسانِ آغوشِ مشتاق وا، سرد سرد ہوا۔ یہ تو گرمی کا مارا تھا، بے تکلف اندر قدم رکھا۔ باغ میں آیا، قطعہ دلچسپ پھولا پھلا پایا۔ بیچ میں بارہ دری عالی شان، سب تکلف کا سامان، اس کے متصل چبوترا سنگِ مرمر کا، بادے کا سائبان کھنچا، مسندِ مغرّق بچھی، ایک عورت خوب صورت آن بان سے اس پر بیٹھی، خواصیں گرد و پیش، وہ مغرور بہ حسن و جمالِ خویش شہزادے کو دیکھ کر ایک خواص پکاری، "اے صاحب! تم کون ہو؟ جان نہ پہچان، بے دھڑک پرائے مکان میں چلے آئے۔"

یہ تو زیست سے بے زار، مرگ کا طلب گار تھا، اسے جواب نہ دیا، بے تامل مسند پر برابر جا بیٹھا۔ وہ تو فریفتہ، قدیم تھی، ہنس کے چپ ہو رہی ہے۔ پوچھا، "آپ کہاں سے تشریف لا رہے ہیں؟" شہزادہ متحیّر باغ کو دیکھ رہا تھا۔ جو پیڑ تھا، پر دار جانور کی صورت، پھول کھلے، پھل تیار، آپس میں سرگرمِ گفتار۔ جس میوے پر رغبت ہو اس درخت کا جانور سامنے آ رقص کرے، پھل بے ہاتھ لگائے منھ کے پاس آئے۔ جتنا اسے کھاؤ، ثابت پاؤ۔ جب طبیعت سیر ہو، اسے درخت

میں دیکھ لو۔ یہ حرکتیں اس کی خواصیں شہزادے کو دکھانے کو، در پردہ ڈرانے کو کرتی تھیں اس قرینے سے جانِ عالم کو یقین ہوا کہ یہ سب جادو کا ڈھکوسلا ہے۔ پیر مرد سچ فرماتا تھا، افسوس بُرے پھنسے۔ یہ تو ان خیالوں میں تھا، اس نے مکرّر پوچھا۔ شہزادے نے جواب دیا کہ ہمارا آنا جانا تمھیں خوب جانتی ہو، اجنبی ہیں لیکن تم پہچانتی ہو۔ وہ مسکرائی، خواصوں سے کہا "آپ مہمان ہیں، مروّت شرط ہے۔" انھوں نے کچھ اشارہ کیا، کشتیاں شراب کی، قابیں گزک و کباب کی، مع جام و صراحی خود بخود آئیں۔

شہزادے نے انکار میں مصلحت نہ دیکھی۔ ڈرا کہ اگر عذر کروں اور اسی طرح یہ شراب بے قصد حلق میں اترے تو کیا لطف رہے۔ پھر اس جام کو ناکام، ہاتھ میں لے کر لہو کے سے گھونٹ، اگلا گھونٹ گھونٹ کر پیے۔ اسی صحبت میں آدھی رات گزری۔ خاصا طلب کیا، دو چار نوالے جانِ عالم نے بہ جبر پانی کے سہارے، اُگل اُگل کر حلق کے نیچے اتارے، اس مُربھکّی نے قرار واقعی ہتّے مارے۔ کھانا زہر مار کر، شہزادے کا ہاتھ پکڑ، بارہ دری میں لے گئی۔ جواہر نگار مسہری پر بٹھایا پردہ سرکا، پھر تو خفیف ہو کر بولی "تو نے سُنا ہوگا، شہپال جادو، شہنشاہِ ساحرانِ جہاں، فخرِ سامری و جے پال کا نام۔ میں اس کی بیٹی ہوں برسوں سے تیری فریفتہ و شیدا ہوں ہوں آج لات و منات کی مدد سے تو میرے اختیار میں آیا، دل کا مطلب بھر پایا، جس چیز کا شائق و طلب گار ہو، جو شے تجھے درکار ہو، بجز ملاقات انجمن آرا، جہان کا سامان مہیا ہے، بشرطِ اطاعت و اظہارِ محبت۔"

جانِ عالم پہلے ڈرا، پھر جی مضبوط کر کے بولا "یہ سب سچ ہے جو تو نے کہا، مگر جس کے واسطے خانماں آوارہ، غربت کا مارا، سرگرداں ہوا ہوں تو اسی کے نام کی دشمن ہے۔ میں تیری دوستی پر کیوں کر اعتماد کروں؟"

یہ سن کر وہ کھسیانی کتیا سی جھنجھلائی، کہا "قدرتِ سحر میری سن لے، مغرب و مشرق کا فاصلہ گردشِ چشم ہے، ادھر پلک جھپکائی، اتنے عرصے میں زرنگار گئی اور آئی۔ خیر! اگر میری ہم صحبتی کریہہ جانتا ہے، تیری امید بھی قطع کر دیتی ہوں۔ ابھی انجمن آرا کو لا، تیرے روبرو جلا، اپنا دل ٹھنڈا کرتی ہوں۔"

جانِ عالم بدحواس ہوا کہ رنڈی کے غصے سے ڈرا چاہیے۔ دل کو تسکین دے کر کہا، اگر

اس سے موافقت کر دگے، انجمن آرا کی اور اپنی زندگی ہو گی، الّا حیلہ شرط ہے یہ خیال کر ساحرہ سے کہا، "ظالم! ہم تیرا جی دیکھتے تھے، ہم نے سُنا تھا کہ عاشق معشوق کے ناز بردار ہوتے ہیں؛ مگر یہ جھوٹ تھا، دھمکاتے ہیں ڈراتے ہیں۔ عاشقی میں حکومت، کسی نے کانوں سے نہ سنی ہو گی، ہم نے آنکھوں سے دیکھی۔ تو یہ نہ سمجھی، ایسا کون احمق ہو گا جو تجھ سا معشوقِ عاشق خصال، اور یہ سلطنتِ لازوال چھوڑ کے، امرنا دیدہ کی جستجو کرے۔" یہ کہہ کے گردن میں ہاتھ ڈال دیا۔ اسی حال سے بہ ہزار خرابی و مشاہدۂ بے تابیِ جانِ عالم، گریبانِ سحر چاک ہوا۔ بعدِ فراغِ صحبتِ طعام، اس نے یہ کلام کیا کہ "میرا معمول ہے اس وقت سے پہر دن رہے تک شہ بالا کے دربار میں حاضر رہتی ہوں، تیری اجازت پاؤں تو جاؤں۔"

جانِ عالم نے دل میں کہا، "لِلّٰہِ الحمد، جو دم تیری صورتِ پُرکدورت نہ دیکھے، غنیمت ہے، مگر ظاہر میں زمانہ سازی سے کہا، "فرقت گوارا نہیں، روکنے کا یارا نہیں، جس طور بنے جلد آنا۔" ساحرہ اس کلمہ سے بہت خوش ہو، چل نکلی۔ شہزادہ با خیالِ دلبر پھر تو بے تکلف ہو، جی کھول کر رو دیا۔ کہا ہم سا بدنصیب، دور از حبیب، دوسرا نہ ہو گا۔ ایک جانور جو رہبر تھا، یوں اُڑا، دوسرا وزیر زادہ جو لڑکپن سے جاں نثار اور یار تھا، وُوں چُھٹا۔ اسی سوچ میں چھ گھڑی دن باقی رہا، جادوگرنی چمکی چمکائی آئی۔ جانِ عالم کو اس کی صورت دیکھ کے رونا آیا، لیکن ڈر کے مارے ہنسنے لگا، نالہ گلہ میں پھنسنے لگا۔ پھر وہی اکل و شرب کا چرچا ہوا۔ جب نصف شب گذری تو وہ سو رہی۔ ان کو بے داری، اختر شماری نصیب ہوئی۔

اسی انداز سے دو مہینے گزرے، جانِ عالم کا روز کی کوفت سے یہ عالم ہوا کہ سوکھ کے کانٹا ہو گیا، بدن ڈھانچا ہو گیا۔ قضارا ایک روز وقتِ رخصت ساحرہ بولی، "جانِ عالم! تیری تنہائی کا اکثر خیال بلکہ مجھے ملال رہتا ہے۔ تو اکیلا تمام دن گھبراتا ہو گا، باغ خالی کاٹے کھاتا ہو گا، مجبور ہوں، کوئی تیرے دل کو بہلانے کی گوں نہیں، جسے چھوڑ جاؤں، یہ رنڈیاں بد سلیقہ ہیں، ان کو کہاں تک آدمیت سکھاؤں، ہنوز انہیں نشست برخاست

کا قرینہ نہیں آیا۔ ان سے تو اور برخاستہ خاطر ہوگا۔"

شہزادے نے کہا، "ہم کیا گھبرائیں گے! تنہا پیدا ہوئے، تمام عمر اکیلے رہے، ہماری قسمت میں دوسرا لکھا نہیں، ہم صحبت ہمارا خدا نے خلق کیا نہیں، لیکن یہ اندیشہ ہمیشہ رہتا ہے، کوئی ہمیں مار ڈالے تو دن بھر مفت مٹی خراب رہے، تم سے کون جا کر کہے۔ ہنسی کی جا ہے، رونے والا ناپید ہے۔"

وہ بولی، "یہ مکانِ طلسم ہے، باد مخالف کا گزر محال ہے، تیرا کدھر خیال ہے۔"

شہزادے نے کہا، "اگر کوئی جادوگر یہ قصد کرے، اسے کون روکے؟"

وہ تو فریفتہ بہ شدت تھی، بند ہوئی۔ وہم یہ ہوا کہ میرے بعد کوئی جادوگرنی آئے اور اس پر عاشق ہو جائے، مار ڈالنا کیسا، یہاں سے اڑا لے تو تو کہاں پائے، سب محنت برباد ہو جائے۔ فرطِ محبت، نشۂ الفت میں انجامِ کار نہ سوچی۔ بے تامل نقشِ سلیمانی صندوق سے نکال، اس کے بازو پر باندھا، کہا، "اب نہ تاثیرِ سحر، نہ دیو کا گزر، نہ پری سے ضرر ہوگا۔ دل کا کھٹکا مٹا، مزے اڑا۔" یہ کہہ کے وہ تو بدستور چلی گئی۔

ایک دن عالمِ تنہائی میں جانِ عالم کو یہ خیال آیا کہ اس نقش کی تعریف اس نے بہت کی تھی، کھولوں تو شاید عقدۂ کار بستہ کھلے۔ یہ سوچ کے اسے کھولا، دیکھتے دیکھتے خانۂ مطلب میں نظر پڑی، لکھا تھا کہ کوئی شخص کسی ساحر کی قید میں اگر ہو، یہ اسم پڑھے نجات پائے یا مکان طلسم میں پھنسا ہو، اسے پڑھتا جدھر چاہے چلا جائے اور جو کوئی سحر کرتا ہو اس پر دم کر پھونک دے، اسی دم اس کی برکت ساحر کو پھونک دے۔

یہ سانحہ اس نے دیکھ کے قریب تھا کہ شہزادے کو شادی مرگ ہو، جلد جلد وہ سب اسم یاد کر، نقش بازو پر باندھا۔ اس عرصے میں جادوگرنی موجود ہوئی۔ جانِ عالم کے تیور بُرے دیکھے، پوچھا، "آج مزاج کیسا ہے؟" وہ بولا، "الحمدللہ! بہت اچھا ہے، دیر سے تیرا منتظر تھا، لے تجھے شیطان علیہ اللعن کو سونپا، ہمارا اللہ نگہبان ہے۔"

یہ سنتے ہی روح قالب سے نکل گئی، سمجھی پیچ پڑا، جانِ عالم چل نکلا۔ سحر سے روکنے لگی، تاثیر نہ کی۔ پھر تو منت کرنے لگی، پاؤں پر سر دھرنے لگی۔ جادوگرنیاں

سمجھانے لگیں کہ یہ شرطِ مروّت نہیں، جو اپنا والہ و شیدا ہو، اُس سے دغا کیجیے۔
شہ زادے نے کہا، "گریبان میں منھ ڈالو، سوچو تو ہم بھی کسی کے عشق میں، عزیزوں سے جدا، مصیبت کے مبتلا، سر بہ صحرا ہوئے تھے۔ ہمیں جبر سے قید کیا، ہزار طرح کا المِ مفارقت دیا۔ یہ احسان کچھ کم ہے، ہم نے طِلسم درہم برہم جو نہ کیا؟" وہ سمجھیں یہ نہ ٹھہرے گا، عاشقی کا کام، نصیحت و پند و بند سے نہیں ہوتا اور جبر کا کام اگر اختیار کیا، حباب آسا ناپائدار ہے، اس کا کیا اعتبار ہے۔

الغرض، وہ سر پیٹتی رہیں۔ جانِ عالم نے بہ برکتِ اسمائے الٰہی، اس طلسم سے رہائی پائی، اپنی راہ لی۔ چند روز میں پھر اُس حوض پر وارد ہوا۔ اسپِ وفادار پتھر سے سر مار مار مر گیا تھا۔ اس کی لاش دیکھ کے دل پاش پاش ہوا، خوب رویا۔ اب اور رنج پیادہ پائی کا قدم بوس ہوا۔ چشم تر، رنگ زرد، آہِ سرد، دل میں درد، پاؤں کہیں رکھتا، آبلہ پائی سے کہیں اور جا پڑتا۔

خلاصہ کار یہ کہ اسی حالِ خراب اور دلِ بے تاب سے ہر روز سرگرمِ منزل تھا، دیدۂ دیدار طلب سے رواں خوں نابۂ دل تھا۔

رہائیٔ طلسم سے اس گرفتارِ محبّت کی اور پہنچنا وادیِ فرح ناک، بے خس و خاشاک میں، پھر ملاقات بانیِ مہر و وفا یعنی ملکۂ مہر نگار، پُر تمکین، باوقار سے، پیر مرد کا لَوح دینا، شہزادے کا رستہ لینا

یہاں سے دشت نوردانِ وادیِ سخن، جگر افگار و غربت زدگانِ پُر محن، سینہ ریش با پائے زخم دار و دلِ خار خار بیان کرتے ہیں کہ وہ مسافرِ صحرائے اندوہ و حرماں، ایک روز نواحِ دل کشا و صحرائے فرح افزا میں گزرا۔ نسیمِ بہار اور درختِ گلزار سے میدان رشکِ ختن

وتار تار تھا، نہ کہیں گرد تھا نہ غبار تھا۔ یہ تو مدتوں کا مسافت دیدہ، مسافرت کشیدہ تھا۔ وہ زمین خجستہ آئیں بہت پسند آئی۔ دل میں آیا کہ آج شب اسی جا سحر کیجیے۔ ایک سمت زمین ہموار، درخت گنجان، چشمہ ہائے آبِ رواں دیکھ کے جا بیٹھا۔ آسمان میں رنگا رنگ کی شفق پھولی، شام اودھ کی سیر پھولی۔ کوسوں تک سبزہ زار، پھولوں کی بہار، کہیں ہرن چرتے، کہیں پرندے سیر کرتے۔

قاعدہ ہے جب آدمی کو سامانِ عیش و نشاط اس طرح کی سیرِ فرحت و انبساط میسّر ہوتی ہے، جسے جی پیار پیار کرتا ہے، وہ یاد آتا ہے۔ شہزادے نے مدت کے بعد یہ فرحت جو پائی، یار کی یاد آئی۔ اس سوچ میں بیٹھا تھا، ایک طرف سے رنڈیوں کا غول پیدا ہوا۔ یہ دھوکا پا چکا تھا، سنبھل بیٹھا اور اسمائے ردِ سحر پڑھنے لگا۔ جب وہ آگے بڑھیں، غور سے دیکھا، چار پانچ سے عورت پری زاد، حور وش، زریں کمر، نازک تن، سیم بر، چست و چالاک، کمسن، الھڑپنے کے دن، اچھلتی کودتی، ٹھکار کھیلتی، سیر کرتی چلی آتی ہے۔ نگاہ جانِ عالم سے لڑی۔ سب کی سب لڑکھڑا کر ٹھٹک گئیں، کچھ سکتے کے عالم میں سہم کر جھجک گئیں، کچھ بولیں، "ان درختوں سے چاند نے کھیت کیا ہے۔" کوئی بولی، "نہیں ری! سورج چھپتا ہے۔" کسی نے کہا، "غور سے دیکھ ماہ ہے۔" ایک جھانک کے بولی "بانکا ہے۔" ایک نے غمزے سے کہا "چاند نہیں تارا ہے۔" دوسری چنچل نے بولی "اُچھال چھکا! تو تری کام یارا ہے۔" ایک بولی "بسرو ہے یا چمنِ حسن کا شمشاد ہے۔" دوسری نے کہا، "تیری جان کی قسم، پرستان کا پری زاد ہے۔" کوئی بولی "غضب کا دلدار ہے۔" کسی نے کہا "دیوانیو! چپ رہو، خدا جانے کیا اسرار ہے۔" ایک نے کہا، "چلو نزدیک سے دیکھ، آنکھ سینک دل ٹھنڈا کریں۔" کوئی کھلاڑن کہہ اٹھی، "دور رہو۔ ایسا نہ ہو اسی حسرت میں تمام عمر جل جل مریں۔" ایک نے خوب جھانک تاک کے کہا، "خدا جانے تم سب کے دیدوں میں چربی کہاں کی چھا گئی ہے، کیا ہوا ہے؟ یہ تو بھلا چنگا ہٹا کٹا مردوا ہے۔" سواری جو رکی، ملکہ نے پوچھا "خیر ہے؟" سب نے دست بستہ عرض کی، قربان جائیں، جان کی امان پائیں تو زبان پر

لائیں۔ ہمیشہ سواری حضور کی اسی راہ سے جاتی ہے، مگر آج خلافِ معمول ان درختوں میں سے ایک شکل دل چسپ ایسی نظر آتی ہے کہ ؎

سنا یوسف کو، حسینانِ جہاں بھی دیکھے
ایسا بے مثل، طرح دار نہ دیکھا نہ سنا

ملکہ متعجب ہو کر پوچھنے لگی "کہاں؟"

ایک نے عرض کی "وہ حضور کے سامنے"۔

جیسے ہی ملکہ کی نگاہ چہرۂ بے نظیر، صورتِ دل پذیر جانِ عالم پر پڑی، دیکھا ایک جوان، رشکِ مہِ پیرِ کنعاں، رعنا، سرو قامت، سہی بالا، بحرِ حسن و خوبی کا درِ یکتا، دماغِ کشور رستانی ہے، اٹھتی جوانی ہے۔ مشاطۂ حسن و عشق نے پیش قدمی کر، متاعِ صبر و خرد، نقدِ دل و جان، اسبابِ ہوش و حواس، تاب و توانِ ملکہ، جگر آوگار، ارمغانِ رونمائی میں نذرِ شہزادہ والا تبار کیا۔ سب بلا رد ہوئی، شوقِ وصل پیدا ہوا، جی شیدا ہوا۔

ملکہ تھرتھرا کر ہوادار پر غش ہوئی۔ خواصوں نے جلد جلد گلاب اور کیوڑہ، بید مشک چھڑکا۔ کوئی نادِ علی پڑھنے لگی، کوئی سورۂ یوسف دم کرنے کو آگے بڑھنے لگی، کسی نے بازو پر رومال کھینچ کر باندھا، تلوے سہلانے لگی، کوئی شیشۂ عطر چھڑک کر سنگھانے لگی، کوئی ہاتھ منھ کیوڑے سے دھوتی تھی، کوئی صدقے ہو ہو رہی تھی۔ کوئی بولی "بہمل جی کا کٹورا لانا"۔ کسی نے کہا "یشب کی تختی دھو کے پلانا"۔ کسی نے کہا "لاریب آسیب ہے"۔ کوئی بولی "عجب مہ پارہ ہے، جس کے دیکھنے سے دل ناشکیب ہے"۔ کوئی سمجھی "یہ شخص ہم جنس نہیں، قسمِ جن سے ہے"۔ کوئی بولی "غشی تقاضائے سن سے ہے"۔

غرض کہ دیر میں ملکہ کو افاقہ ہوا، مگر دلِ مضطرب طپاں، خواہش اسی طرف کشاں، رنگِ رو طائرِ پریدہ، صبر و ضبط دامن کشیدہ۔ مشورہ ہوا، سواری ادھر سے پھیر دو، ملکہ کو بیچ میں گھیر دو، لیکن تابِ تحمل و یارائے صبر ملکہ کو بالکل نہ تھا، فرمایا "دیوانیاں ہو! یہ کوئی مسافر بے چارہ، خانماں آوارہ، غربت کا مارا، تھک کر بیٹھ رہا ہے، اس سے ڈرنا

کیا ہے، چلو نزدیک سے دیکھیں۔" ناچار وہ سب فرماں بردار چلیں، مگر جھجکتی، ایک دوسرے کو تکتی ــ جوں جوں سواری قریب جاتی تھی، ملکہ کی چھاتی دھڑکتی تھی۔ دل میں تڑپ زیادہ پاتی تھی۔ ایک خواصِ خاص بہ اشارۂ ملکہ آگے بڑھی، پوچھا "کیوں جی میاں مسافر! تمھارا کدھر سے آنا ہوا، دریا مصیبت پڑی ہے جو اکیلے سوائے اللہ کی ذات، ہیہات! نہ کوئی سنگ نہ ساتھ، اس جنگل میں وارد ہو۔"

شہزادے نے مسکرا کر کہا "مصیبت، خیلا! تجھ پر پڑی ہوگی۔ معلوم ہوا یہاں آفت زدے آتے ہیں۔ کہو تو تم سب کی کیا کم بختی، ایاموں کی گردش نصیبوں کی سختی ہے۔ جو چڑیلوں کی طرح ناکام سرِ شام پھرتی ہو۔"

ملکہ یہ کلمہ سن کر پھڑک گئی، خود فرمانے لگی "واہ واہ صاحب! تم بہت گرما گرم، تند مزاج ہو۔ حال پوچھنے سے اتنا برہم ہو کر کڑا فقرہ سنایا کہ اس مردار کے ساتھ تھو تھو، مجھ چھٹ، سب کو چھل پائیاں بنایا۔"

جو جو جلیسیں نقیس بولیں "ملکۂ عالم! آپ کس سے گفتگو در بدو کرتی ہیں، یہ مردُوا تو لٹھ ہے، سخت منھ پھٹ ہے۔"

ملکہ بولی "چپ رہو! ان باتوں میں دخل نہ دو۔ ایسا نہ ہو یہ بدمزہ ہو جائے تو صلواتیں سُنائے۔"

وہ سب ہنسیں۔ آپس میں کہا "خدا خیر کرے! آج جنگل میں گل بھولا چاہتا ہے، یہ پردیسی پنچھی راہ بھولا چاہتا ہے۔"

پھر ملکہ نے کہا "اے صاحب! کچھ منھ سے بولو، سر سے کھیلو۔"

جانِ عالم نے کہا "امرا ہیّت کو کام نہ فرماؤ، نیچے آؤ، معلوم ہوا تم بڑی آدمی ہو، سواری مانگے کی نہیں، خواصیں بھی تمھاری ہیں، خاک نشینوں کی ہم سری اختیار کرو، تکلف تہہ کر رکھو۔ طبیعت حاضر ہوگی تو تمھارے بیٹھنے سے کچھ کہہ اٹھیں گے۔ آپ ہوادار کیا، ہوا کے گھوڑے پر سوار، ہم فقیر بسترِ خاک پر سایہ دار۔"

ملکہ نے کہا "اس مدۃ العمر میں ایسا مسافرِ جریدہ، دہن دریدہ، تمھارے سوا، بہ خدا

نہ دیکھا نہ سُنا۔" یہ کہہ کر ہوادار سے اتر شہزادے کے برابر بیٹھ گئی۔ خواصوں نے بہت بھیانک ہو کے کہا، "لو بی بی یہ مُوا کیا سحر بیان، جادو کا انسان ہے۔ ملکہ سی پری کو گالیاں دے دے کر کیسا شیشے میں اتار لیا، بیٹھے بٹھائے میدان مار لیا۔"

غرض کہ جب ملکہ بیٹھی، جانِ عالم دمِ سرد بھر کے بول اٹھا، "گرفتارِ رنج و الم، خوشی سے دُور، مبتلائے غم، بے یار و مددگار، دوست نہ غم خوار، آفت کا مارا، خانماں آوارہ، ہمہ تن یاس، باختہ حواس، توشۂ راہ بجز غمِ جاں کاہ نہیں، اور رہبر سوائے دلِ مضطر ہمراہ نہیں، گو پا نو میں طاقتِ رفتار نہیں، لیکن ایڑیاں رگڑنا بھی اس راہ میں ننگ و عار نہیں۔"

ملکہ سمجھی یہ مقرر شہزادۂ عالی تبار ہے مگر کسی کا عاشق زار ہے۔ بات میں یہ تاثیر ہے کہ ہر کلمہ ناوک کا تیر ہے۔ دل میں آیا کسی طرح گھر لے چلیے، پھر مفصّل حال معلوم ہو جائے گا، کہاں تک چھپائے گا۔ بہ منّت و سماجت کہا، "اے عزیز! یہ سرزمین ہمارے علاقے میں ہے، تم یہاں مسافرانہ اتفاقاتِ زمانہ سے وارد ہو۔ مہمانی ہم پر واجب ہوئی۔ چند گام اور قدم رنجہ کیجیے غریب خانہ قریب ہے، آج کی شب استراحت فرمائیے، نانِ خشک کھائیے، صبح اختیار باقی ہے۔"

جانِ عالم نے دل میں خیال کیا، برسوں کے بعد ہم جنسوں کی صحبت میسّر آئی ہے اور یہ بھی شہزادی ہے، اس کا آزردہ کرنا نری بے حیائی ہے۔ آدمیّت کا لحاظ، انسانیت کا پاس، اپنی بے اعتنائی کا حجاب کر کے کہا، "کھانے پینے، سونے بیٹھنے کی ہوس دل سے اٹھ گئی ہے مگر دل شکنی کسی کی اپنے مذہب میں گناہِ عظیم ہے۔" یہ کہہ کر اٹھا، ساتھ ساتھ، ہاتھ میں ہاتھ، پیادہ پا باتیں کرتا چلا۔ بس کہ شہزادہ لطیف و ظریف تھا، کوئی فقرہ لوک چوک، رمز و کنایہ سے خالی، زبان پر نہ لاتا تھا، ملکہ کا ہر بات پر دل پگھلا جاتا تھا، مگر دل سے کہتی تھی کہ، "اے ناکام و بخت نافرجام! ایسا نہ کرنا کہ ہاتھ ننگ و ناموس سے دھونا پڑے، بیٹھے بٹھائے الم مفارقت میں رونا، جان کھونا پڑے۔ ظاہر ہے کہ یہ کسی کا عاشق زار ہے، نشۂ محبت میں سرشار ہے۔" مگر تپشِ دل متصل ترقی میں تھی۔ خواہش، جی کی کاہش میں بے قراری کو اس پر قرار تھا کہ خدا کے کارخانے میں کسی کو دخل نہیں ہوا۔ اے نادان! جو دمِ وصل ہے، اسے غنیمت جان۔

آغازِ عشق میں انجام سوچنا خلاف ہے۔

القصّہ تا درِ باغ پہنچے، دروازہ کھلا، اندر آئے۔ جہاں کی فضائے صحرا وہ تھی، وہاں کے باغ کا کیا کہنا! اگر ایک تختے کی صفت تحریر کروں، ہزار تختہ کاغذ پر بہ خطِ ریحان نہ لکھ سکوں۔ دمِ تسطیرِ قلم میں برگ نکلتے، لکھنا بار ہوتا ہے، ہاتھ پانو بالکل پھولتے ہیں، صفحۂ قرطاس پر گل پھولتے ہیں، حاسد کو خار ہوتا ہے۔ بہت آراستہ و پیراستہ چاروں کونوں پر بنگلے، گرد سبزۂ نوخاستہ، دروازہ عالی شان، نفیس مکان، باغبانیانِ خوب صورت، سرگرم کار، خواجہ سرا مردان کے مددگار، حور و غلماں کا عالم، بیلچے کھرپیاں جواہر نگار، ہاتھوں میں باہم۔ درخت اور روشوں کو دیکھتی بھالتی، گل و بار چمن سے چنتی، گلابرگ سڑا بار جھڑا پڑا خار، صحن سے نکالتی پھرتی تھیں۔ بیچ میں بارہ دری پر شوکت، بارفت و شان پرستان کا سا مکان، ہر کمرہ سجا سجایا، صناعِ نادر دست کا بنایا۔ غلام گردش کے آگے چبوترہ سنگ مرمر کا، حوض مصفا پانی سے چھلکتا، فرش سب افشاں پتھر کا، شامیانہ تمامی کا تنا، سفید بادلے کی جھالر، کلابتوں کی ڈوریاں، سراسر مغرق بنا۔ ملکہ کے مکان پر چاندنی دیکھنے کا سامان تھا، شہ زادے کے آنے کا کسے گمان تھا؛ غرض جانِ عالم کو لے جا شامیانے تلے مسندِ مغرق پر بٹھایا۔ شراب ارغوانی و زعفرانی کی گلابیاں گشتیوں میں لے کر وہ وہ زن پری پیکر زیب دہِ انجمن ہوئی کہ بطِ مے رشک و خجالت سے بحرِ ندامت میں غوطہ زن ہوئی۔ ایک طرف جام و سبو، ایک سمت نغمہ سرایانِ خوب رُو و خوش گلو، سفید سفید صوفیانی پوشاک سر سے پانو تک الماس کا زیور، دو رویہ صف باندھ کر کھڑی ہوئیں۔ ان کے بیٹھتے ہی گانا ناچ شروع ہوا۔

جب ہنگامۂ صحبت بہ ایں نوبت پہنچا کہ راجہ اندر کی محفل کا جلسہ نظر سے گر گیا، بہشت کا سامان پیشِ چشم پھر گیا، اس وقت ملکہ مہر نگار نے گلاس شراب سے بھر کر شہزادے کو دیا، کہا، "اسے آلش کر دیجیے تا رنجِ سفر خاطرِ انور سے دور ہو، مجھے استفسارِ حال ضرور ہے۔" جانِ عالم نے بہ اسبابِ ظاہر انکار کیا۔

ملکہ نے حال پوچھنے لگی کہ "تمھیں بہ خدائے عزّ و جلّ، سچ کہو تم کون ہو؟ کہاں

سے آئے ہو، کس کی تلاش میں خود رفتہ گھبرائے ہو؟" اس وقت جان عالم کو بجز راستی مفر نظر نہ آیا۔

ملکہ نے جب سُنا کہ یہ فریفتۂ جمالِ پری تمثالِ انجمن آرا ہے، آہِ دل دوز، نعرۂ جاں سوز کھینچ کر رونے لگی۔ امید قطع ہوئی۔ جان عالم نے بے قرار ہو کے کہا، "اے ملکہ مہر نگار! خیر باشد؟" ملکہ نے اسی حال میں کہا "اے شاہ زادۂ والا تبار! غارت گرِ کشورِ دل، عاشقِ زار!! میرا حال سُن،" "باپ میرا ابھی شہنشاہ تھا، بہت سے تاج دار خراج گزار تھے، مگر ابتدا سے طبیعت متوجہ فقر، اور عبادت کی عادت تھی۔ غرض کہ حکومت کا بکھیڑا چھوڑ، معاملۂ سلطنت بے کار جان اور بے ثباتیِ جہان گذران مدِ نظر کر، دنیا سے ہاتھ اٹھایا۔ بادشاہت مٹا، آبادی سے منھ موڑا، اس صحرائے پر خار میں مکان بنا کر بیٹھ رہا۔ ہر چند مجھے شادی کو ارشاد کیا، میں نے بہ سببِ مفارقت انکار کیا۔ اب دفعتاً آفتِ آسمانی و بلائے ناگہانی مجھ پر ٹوٹ پڑی کہ بہ یک نگاہ عاشق کیا، دیوانی ہو گئی، ہوش و حواس سے بیگانی ہو گئی۔ اور تو، اس کا عاشق طلب گار ہے جس کا نظیر اس زمانے میں ہاتھ آنا بہت دشوار ہے۔ اب بجز مرگ کیا چارہ ہے میں ننگِ خانماں، خراب کنندۂ خاندان فقط ذلت و خواری ماں باپ کی اور گریہ و زاری اپنی چاہتی تھی۔ صبح تو کہاں، میں کہاں، یہ صحبتِ شب خواب ہو جائے گی، نمودِ صبح مفارقت، شامِ غربت کا رنگ دکھلائے گی، دامنِ سحر کی طرح گریبانِ صبر چاک ہو گا، ہمارے سر پر آفت و خرابی آئے گی۔ انصاف کیجیے، کس سے کہوں گی بے قراری ستاتی ہے، جان عالم کی جدائی سے روح بدن سے جدا ہوتی ہے، جان جاتی ہے۔ ہم صحبتیں طعنے دیں گی، انیسیں چھیڑ چھیڑ کر جان لیں گی، جب لونڈیوں پر خفا ہوں گی، بڑبڑائیں گی، زبان پر یہ کلمہ لائیں گی، ملکہ عاشقی کا رنج و ملال یوں در پردہ ٹالتی ہیں، شہ زادہ چلا گیا، نہ رک سکا، اس سے بس نہ چلا، غصّے کی جھانجھ ہم پر نکالتی ہیں۔" باپ پر حال کھلا تو خجالت ہو گی، ماں نے گر سنا تو ندامت سے کیا حالت ہو گی۔ رسوائی کے خوف سے دل کھول کر نہ رو سکوں گی، بدنامی کے

ڈر سے جی نہ کھو سکوں گی۔ جب دلِ بے تاب ہجر سے گھبرائے گا، فرمائیے کون تسکین فرمائے گا، کیا کہہ کے سمجھائے گا؟ آپ اُدھر تشریف لے جائیں گے، ہم اِدھر غمِ فرقت سے گھٹ گھٹ کر مر جائیں گے۔ ہماری سرنوشت پر رونا روا ہے، ماجرا ہمارا عبرت و حیرت افزا ہے۔ ہر چند خلّاقِ سبحانی عاملِ بے بدل، ساحرِ بے مثل ہیں، عُلوی و سِفلی سب کچھ پڑھا لکھا ہماری پیشانی اور لوحِ جبیں کی تحریر نہ دیکھی کہ کیا پیش آنی ہے، اور خطِ شکستہ سے ایسے نستعلیق نے کیا برا لکھا ہے۔؟"

یہ باتیں کر، دل پر ہاتھ دھر رونے لگی، دامن و گریبان آنسوؤں سے بھگونے لگی۔ شہزادے کو ثابت کیا یقین ہوا کہ ملکہ بہ شدّت فریفتہ و شیدا ہے، بات سے حزن و ملال پیدا ہے۔ دل دکھنے کے مزے سے زبان لذت پا چکی تھی، جان ہجر کے صدمے اٹھا چکی تھی، بے چین ہو کر بولا، زبان کو تسکین کی باتوں میں کھولا، کہا "آپ کا کدھر خیال ہے، بندہ فرماں بردار بہر حال ہے، جو کہو گی بجا لاؤں گا، بارِ اطاعت سے سر نہ اٹھاؤں گا، مگر برائے چندے صبر، دل پر جبر ضرور ہے۔ اگر اس کی جستجو میں نہ جاؤں گا، تمھیں میری کیا امید ہوگی، ہم چشموں کو کیا منھ دکھاؤں گا۔" سبحان اللہ! وہ وقت دیکھا چاہیے کہ معشوق عاشق کی تسکین کرے، اپنی اطاعت اس کے ذہن نشین خوش قسمتوں کو ایسے بھی مل جاتے ہیں کہ عاشق کے رنج و غم کھاتے ہیں، دل داری کر کے سمجھاتے ہیں۔ اس کا لوگ رشک کرتے ہیں، آتشِ حسد سے جل مرتے ہیں۔ بلکہ یہ سُن کر دل میں شاد، بندِ فکرِ غم سے آزاد ہوئی۔

جانِ عالم نے قسمیں شدید کھائیں، اختلاط کی باتیں درمیان میں آئیں کہ اس میں سرِ مو فرق نہ ہوگا، اور مژدۂ وصل سے مسرور کیا، خیالِ مفارقت ملکہ کے دل سے دور کیا، کہا، "اب ہنسی خوشی کی باتیں کرو، یہ بکھیڑا جانے دو۔ مفارقت سر پر کھڑی ہے، رات تھوڑی کہانی بڑی ہے۔ فلک سفلہ پرور، جفا کیش ہے، عاشق و معشوق کا بد اندیش ہے۔"
مگر شبِ وصل ہمیشہ سے کوتاہ ہے، خدا گواہ ہے۔ دو کلمے ہنسی کے ہنوز پورے نہ ہونے پائے، گردوں کو رشک آئے۔ یکا یک مرغِ سحر، بیدار باش، پکارا، زاہد نے

نعرۂ اللہ اکبر مارا۔ جانِ عالم نے نمازِ صبح پڑھ کر کمر بہ عزمِ سفر چست کی، ملکہ نے کہا "اگر ہرج متصوّر نہ ہو میرے والد سے ملاقات کر لو، یہ امر فائدے سے خالی لاابالی نہ ہوگا۔"

جانِ عالم نے کہا "بہتر ہے"۔ پھر وہی خواص ہم راہ ہوئی۔ جب وہاں پہنچا دیکھا بوریائے بے ریا بچھا ہے، مصلّے پر ایک مردِ مہذب، بہ ذکرِ حق مشغول، بادلِ ملول بیٹھا ہے۔ یہ رسمِ سلام بجا لایا، اس نے دعائے خیر دے کر ہاتھ بڑھایا، چھاتی سے لگایا، قریب بٹھا کے فرمایا "ماجرائے شبِ تیرہ، ملکہ فقیر پر روشن ہے۔ ایسی بدقسمت دوسری خلق میں خلق نہیں ہوئی۔ ہمارے کہنے سے انکار کیا، بڑے بول کا سر نیچا ہوا تو تم سے کیا کیا دار و مدار کیا۔ جو تم اتنی تسکین نہ کرتے تو اس کا زندہ رہنا محال تھا، اس طرح کا دل پر صدمہ اور ملال تھا۔ اگر ایفائے وعدہ کرو گے اللہ بھلا کرے گا، وگرنہ یہ رنج بُرا ہے، دیکھیے اس کا حال کیا کرے گا۔"

شہ زادے نے سر جھکا کر عرض کی "آپ کیوں مجبوب فرماتے ہیں، مجبور ہوں۔ اس عزم میں گھر چھوڑا، عزیزوں، یگانوں سے ترک کر، شہر سے منہ موڑا، وہ کہیں گے سخت کم ہمت اور بے جرأت تھا، راہ میں آسائش ملی بیٹھ رہا، خوف سے جا نہ سکا، جھوٹا تھا، ناحق کا دم بھرا۔"

پیر مرد نے فرمایا "مرحبا! جزاک اللہ! ایسی شرطِ جواں مردی و ثابت قدمی ہے۔ ہمیں بھی تمھارے اس عزم سے ایفائے وعدہ کی امید ہوئی۔" پھر ایک لوح عنایت کی اور کہا "جب کوئی مہم سخت روبہ کار ہو، بہ طرزِ فال اُس حال میں اسے دیکھنا، جو نکلے اس پر عمل کرنا۔ اللہ تعالیٰ وہ مشکلِ سخت ایک آن میں آسان کرے گا۔ لو، بہ حفظِ حافظِ حقیقی سپرد کیا۔"

شہ زادہ رخصت ہوا، لوح لے کر ملکہ کے پاس آیا۔ آخر جبراً قہراً رخصت کیا، کہا "خدا حافظ! امام ضامنِ ثامن کو سونپا۔ جس طرح بیٹھ دکھاتے ہو اسی صورت اللہ تمہارا منھ دکھائے، غم دوری ہمارا دور ہو جائے۔" جانِ عالم یہ سن کر روانہ ہوا، یہاں طپشِ دل کو بہانہ ہوا۔ دریائے سرشک، چشمِ خون پالا سے موج زن ہوا، غریقِ لجّۂ مفارقتِ جان و تن ہوا۔ جلیسیں بولیں، "ملکہ! جی کھو دو گی جو اس طرح بلک بلک کر رو دو گی۔ مسافر کے پیچھے رونا، زبوں از حد ہے، بی بی خیر ہے، یہ شگونِ بد ہے۔ وہ بھی دن دکھائے گا جو وہ پردیسی صحیح و سلامت خیر سے گھر واپس آئے گا۔"

غرض کہ جوں جوں شہ زادے کی مفارقت بڑھتی تھی، ملکہ صدمۂ ہجر سے دوں دوں گھٹتی تھی۔ بدر سا چہرہ ہلال ہوا، تپِ جُدائی سے عجب حال ہوا۔ کبھی کہتی تھی، "وائے ناکامی! اگر دل کا حال کہوں شرم آتی ہے، جو چپ رہوں، جان جاتی ہے۔ یہ سب کہتے ہوں گے، ملکہ کو غیرت نہیں آتی، راہ چلتوں سے بیٹھے بٹھائے دل لگاتی ہے، آپ روتی ہے ہمیں مفت رُلاتی ہے۔ اس سمجھانے والے کو کہاں سے لاؤں جسے دل کا حال سناؤں، زیست اسی میں ہے جو مر جاؤں۔ اب کون آنسو پونچھ رونے کو منع کرے گا، کون میرے دمِ گرم پر آہِ سرد بھرے گا، پیار سے سر چھاتی پر دھرے گا۔"

جب ملکہ کا یہ حالِ بتر، چپکے چپکے جی سے باتیں کرنا، دیکھ کر لوگ گھبراتے، دستِ شفقت سرِ وحشت انگیز پر پھیرتے اور پوچھتے کہ "اے جی کی دشمن ہمیں تو بتا دل کا حال کیا ہے"، تو وہ کہتی "اور تو کچھ جانتی نہیں، پر یہ نقشہ ہے، ہاتھ، پانو سنسناتے ہیں، خود بہ خود غش چلے آتے ہیں، دم سینے میں بند ہے، گھبراتا ہے، مکان کاٹے کھاتا ہے۔ باغ ویران، گل بوٹا خار معلوم ہوتا ہے، گھر زنداں، بات کرنا بیکار معلوم ہوتا ہے۔ جان بے قرار ہے، بند بند ٹوٹتا ہے، دامنِ صبر دستِ استقلال سے چھوٹتا ہے۔ جنگل پسند ہے، ویرانی کا جی خواہش مند ہے۔ دشت کا سناٹا بھاتا ہے، بلبل کا نالہ دل دکھاتا ہے۔ خدا جانے کس کی جستجو ہے، دل کو مرغوبِ قمری کی کو کو ہے۔ تنہائی خوش آتی ہے، آدمیوں کی صورت سے طبیعت نفرت کھاتی ہے۔ سینہ جلتا ہے، دل کو کوئی مسوس کر ملتا ہے۔ آنکھ ظاہر میں بند ہوئی جاتی ہے مگر نیند مطلق نہیں آتی ہے۔ ہاتھ چاہتے ہیں، سرِ دست چاک گریباں دیکھیں، پانو چل نکلے ہیں کہ بیاباں دیکھیں۔ جہان کی بات سے کان پریشان ہوتے ہیں مگر جانِ عالم کا ذکر دل لگا کر سنتی ہوں۔ ارے لوگو! یہ کیا آزار ہے، سب سے آنکھ چراتی ہوں، ہم صحبتوں سے شرماتی ہوں اب صدمہ اٹھانے کا یارا نہیں، بے موت اس بکھیڑے سے چھٹکارا نہیں، عجب حال ہے۔ اگر اسی کا عشق عاشقی نام ہے تو میں درگزری، میرا سلام ہے۔ جو لوگ عشق کرتے تھے، کیوں کر جیتے تھے۔ پہلے مجھے منع نہ کیا، ہے ہے میرے جان کے دشمنو! یہ کیا کیا؟

اللہ کی مرضی کسی نہ کیا بگڑا، میری قسمت کا لکھا، جو کیا اچھا کیا۔"

یہ سُن کے ایک کھیلی کھائی، عشق کے صدمے اٹھائی، قریب آئی، کہا "قربان جاؤں، واری، ابھی سلامتی سے نوگرفتاری ہے جو اتنی آہ وزاری اور بے قراری ہے۔ سہتے سہتے عادت ہو جائے گی تو تسکین آئے گی۔" ان باتوں کے سننے سے دل جو بھر آیا، بے اختیار خوں نابہ دل، لختِ جگر، چشمِ تر سے متصل بہانے لگی، دیدۂ دیدارِ طلب سے سمندر کی لہر لہرانے لگی۔

رخصت ہونا جانِ عالم کا ملکہ مہرنگار سے اور پہنچنا ملک میں اس غزالِ رمیدۂ صحرائے بے اعتنائی، پروردۂ مہدِ ناز و گہوارۂ کج ادائی اور نہ پانا صیدِ مطلب کا پھر گریہ وزاری، پھر لڑائی جادو کی، ملاقات اس ماہ رُو کی۔

طلسم کشایانِ گنجینۂ سخن، فخرِ سامری درۂ نوردانِ اقلیمِ حکایاتِ کہن، گوسالۂ سخن کو، دیرِ خراب آباد میں یوں گویا کرتے ہیں کہ ملکہ مہرنگار کے باغ سے چالیس منزل، ملکِ زنگار کشورِ آفتِ روزگار تھا۔ شہ زادہ، دل زکف دادہ، یکہ و تنہا، صعوبتِ سفر کا مبتلا، پانو میں چھالے، لب پر آہ و نالے، گرتا پڑتا کئی مہینے کے بعد اس زمینِ خجستہ آئین میں پہنچا اور جو جو پتے تو تے نے بتائے تھے، وہ سب اس جوار میں پائے۔

ایک روز دو چار گھڑی دن رہے کیا دیکھتا ہے کہ ایک شے مثلِ آفتاب بہ صد آب و تاب، شمال کی سمت یہ درخشاں ہے کہ نگاہ نہیں ٹھہرتی، عقل حیراں ہے۔ جب قریب پہنچا تو دیکھا دروازہ ہے عالی شان۔ بس کہ مُطلّا ہے اور لعل و یاقوت اس کثرت سے جڑے ہیں کہ جوہریِ وہم و گمان حیران کھڑے ہیں۔ یقین ہوا اب بر سرِ مطلب پہنچا، یہ وہی دروازہ ہے، بابِ اُمّید، جس کا ذکر وہ سرخ رو، زمرّد لباس کرتا تھا۔ سجدۂ شکر بہ درگاہِ منزل رسانِ راہ گم کردگاں کیا اور خوش ہو کر دوڑا۔

غرض افتاں و خیزاں، درِ شہر پناہ پر آیا۔ جا بہ جا برج برنجی و آہنی ڈھلے ہوئے، توپیں چڑھیں، گولہ انداز جوان جوان، بنفشہ بادلے کے دگلے گل نار پہنے، ایک پیچے سجے چست و چالاک، توپوں کے بائیں دہنے ٹہل رہے، زمین و آسمان ان کی ہیبت سے دہل رہے، گلی کوچے صاف، خس نہ خاشاک، دروازے پر پانچ ہزار سوار، لاکھ پیادے کی چھاؤنی کچھ جنگ کے آمادہ تیار۔

جانِ عالم نے ان سے پوچھا: "اس شہر کا کیا نام ہے، اور حاکم یہاں کا کون ذی احترام ہے؟" انھوں نے دیکھا، ایک جوان سرو قامت، قمر طلعت، خسوفِ سفر، خاکِ رہ گزر میں نہاں ہے، مگر دبدبہ شوکت و صولت، نشانِ جرأت چہرۂ انور سے عیاں ہے۔ وہ خود کہنے لگے: "آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟"

شہزادے نے کہا: "بھائی! سوال دیگر جواب دیگر۔" آخر ایک شخص نے کہا، "قبلہ! اس ملک کو زرنگار کہتے ہیں۔"

یہ سنتے ہی چہرہ بشاشت سے کندن کی طرح دمکنے لگا، جو ریت کا ذرہ تھا، افشاں کی صورت منھ پر چمکنے لگا۔ دل سے کہا، "یہ خواب ہے یا بیداری؟ طالعِ گردش سے امید یاری و مددگاری نہ تھی، ایسی قسمت رہبر ہماری نہ تھی، پھر کچھ نہ پوچھا۔ دروازے سے آگے بڑھا، شہر دیکھا، قطع دار، ہموار، قرینے سے بازار، کرسی ہر دکان کی کمر برابر، مکان ایک سے ایک بہتر و برتر، بیچ میں نہر، جا بہ جا فوارے۔ سب عمارات شہر پناہ کے میل کے جواہر نگار، سانچے کے ڈھلے۔ ہاتھ کا کام معلوم نہ ہوتا تھا، نہ کہیں بلندی نہ پستی، ہموار بسی

ہوئی بستی، ایک کا جواب دوسری طرف۔ اِدھر بزّاز تو اُدھر بھی صرّاف کے مقابل صرّاف، بازار کا صحن نفیس شفّاف۔ جوہری کے روبہ جوہری، زر و جواہر کا ہر سمت ڈھیر، نقد و جنس سے ہر شخص سیر۔ کوئی شے، کسی طرح کا اسباب ایسا نہ تھا کہ بازار میں نہ تھا۔ مغرب و مشرق کی اشیائے نادرہ کا ہر جا انبار تھا، جنوب و شمال کا خریدار تھا۔ حلوائی، نان بائی، کنجڑے قصائی، سقّوں کے کٹوروں کی جھنکار، میوہ فروشوں کی پکار، دلّالوں کی بول چال، جہان کا اسباب و مال۔ نہر کی کیفیت جدا، قدِ آدم، آبِ مصفّا۔ فواروں سے کیورّہ گلاب اچھلتا، بازار مہک رہا۔ ہر طرف دھوم دھام، خلقت کا اژدہام، چلنے پھرنے والوں کے کپڑے لتّے ہوئے جاتے تھے دہم دگمان کشمکش سے بار پاتے تھے۔

جب چوک میں آیا، پوچھا "ایوانِ جہاں پناہ دولت سرائے شاہ کی کدھر ہے؟" لوگوں نے کہا، "دستِ راست سیدھے چلے جائیے۔" بازار طے کر، قریبِ عمارتِ بادشاہی جب آیا، ان مکانوں کو نرا طلسم پایا۔ عقل کام نہ کرتی تھی۔ ہر کنگرہ ایوانِ فلک سے اونچا، برج ہر ایک جہاں نما، خورشید سا چمکتا۔ لیکن جو لوگ درباری یا ملازمِ سرکاری آتے جاتے دیکھے، سب سیاہ پوش، غم خانۂ الم کے جرعہ نوش۔ اس کا ماتھا ٹھنکا، یا نو ہر ایک کئی من کا ہو گیا۔ ہر شخص کا منھ تکتا تھا، قدم اٹھ نہ سکتا تھا۔ سواری کا سامان سامنے آیا، بچو بڑھائیو کا شور بلند پایا۔ دیکھا ایک خواجہ سرا پُرانا زیرک و دانا، محبوب علی خاں نام، وہ بھی باخاطرِ حزیں، غم گیں، سیاہ پوش، حواس باختہ، ہوش فراموش، اندوہ یاد، رنج سے ہم آغوش۔

جانِ عالم نے سلام کیا۔ وہ جواب دے کر شہ زادے کو دیکھنے لگا۔ شہ زادے نے کہا، "میاں صاحب! خیر ہے؟ ہم فقط شہزادہ یہاں کے شہریار کے شوقِ دید میں وطن سے بعید ہو، خستہ و خراب با دلِ مضطر و جان بے تاب یہاں پہنچے ہیں۔ برائے خدا یہاں کی نحوست، اپنی سیاہ پوشی کی علّت بیان کیجیے۔"

خواجہ سرا نے یہ سن کر نعرہ مارا، بے چین ہو کر پکارا کہ "اے جوانِ رعنا! تو نے یہ قصّہ سنا ہو گا کہ زینتِ تختِ سلطنت، رونقِ شہر، موجدِ آبادی، صاحبِ جاہ و حشمت، مالکِ عفّت

وعصمت، انجمن آرا یہان کی شہ زادی تھی۔ شہرۂ جمال، بے مثال، اس حور طلعت، پری خصال کا از شرق تا غرب اور جنوب سے شمال تک زبان زدِ خلقِ خدا تھا اور ایک جہان، حسن کا بیان سُن کر، نادیدہ اس کا مبتلا تھا۔ آج تک چشم و گوشِ چرخِ کج رفتار نے بایں گردشِ لیل و نہار ایسی صورت دیکھی نہ سُنی۔ بہت سے شاہ اور شہریار اس کی دادیِ طلب میں قدم رکھ کر، تھوڑے عرصے میں آوارۂ دشتِ ادبار، پتھروں سے سر مار مار، رہ روِ اقلیمِ عدم ہو گئے۔

اب چار، پانچ روز سے ہمارے طالعِ بیدار جاگتے جاگتے دفعتہً سو گئے۔ ایک ساحرِ مکّار، جفا کار، بہ زورِ سحر اُسے محل سے اٹھا لے گیا۔ ہنوز یہ جملۂ غم، ناتمام تھا کہ جانِ عالم کا کام تمام ہوا۔ زمین پر گر کے بہ حسرت و یاس پکارا ؎

جی کی جی ہی میں رہی، بات نہ ہونے پائی

حیف ہے اس سے ملاقات نہ ہونے پائی

خواجہ سرا سخت گھبرایا، سمجھا، یہ شخص بھی گرفتارِ محبت، اسیرِ دامِ الفت، اسی کا ہے۔ مجھ سے بڑی غلطی ہوئی، دفعتہً خبرِ بد سنائی نہ تھی، آفت اس کی جان پر، جان کر لانی نہ تھی ـــــ ہر چند گلاب کیوڑہ چھڑکا، ہوش نہ آیا۔ بدحواس بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ رو کر عرض کی، "آج ماتمِ انجمن آرا تازہ ہوا۔" بادشاہ نے فرمایا، "کیا ماجرا ہے؟"

اس نے عرض کی کہ کسی ملک کا شہ زادہ اس کی محبت میں سلطنت سے ہاتھ اٹھا، فقیرانہ سج دھج بنا یہاں تک پہنچا ہے، مجھ سے جادوگر کے اٹھا لے جانے کی خبر سن کر آہ کھینچ، زمین پر گرا ہے۔ اب تک ہوش نہیں آیا تھا۔ عجب صدمہ دل پر دھر گیا ہے، خدا جانے جیتا ہے یا مر گیا ہے۔ کیا عرض کروں، غلام کی نظر سے اس سج دھج کا جوانِ پری پیکر آج تک از قسمِ بشر نہیں گزرا۔ اگر ان دونوں کی صورت آئینۂ چشم میں بہم نظر آتی، قرآن السّعدین کی کیفیت کھل جاتی۔ جو حضور ملاحظہ فرمائیں گے، شہ زادی کو بھول جائیں گے۔

بس کہ بادشاہ غمِ مفارقتِ انجمن آرا سے بے قرار تھا، ارکانِ سلطنت سے کہا، "جلد جاؤ، جس طرح ہو اسے لاؤ۔" لوگ دوڑے، مردے کی صورت اٹھا لے گئے۔ اس عرصے میں شام ہوئی۔ بادشاہ نے ہاتھ منھ دھلوا، بید مشک چھڑکا، کیوڑہ منھ میں چوایا، لختہ سنگھایا، جان عالم

کو ہوش آیا، گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ دیکھا ایک شخص تاجِ خسروانہ برسر، چار قُبِ ملوکانہ در بر، سن رسیدہ، لیل و نہار دیدہ، بڑے کرّ و فر سے تخت پر جلوہ گر ہے۔ جانِ عالم اٹھا۔ بہ طورِ شاہ و شہریار و شہ زادہ ہائے عالی تبار رسمِ سلام بجالایا۔ بادشاہ نے گلے لگا، پاس بٹھایا۔ استفسارِ وطن اور نامِ جدّ و آبا کیا۔ یہاں فرطِ الم، کثرتِ غم سے گلا گھٹ رہا تھا مگر ضبط کو کام کر کے حسب و نسب اور ملک کا پتا بتایا، پھر سر جھکا شہ زادی کا حال پوچھا۔ بادشاہ نے فرمایا، "اے گرامیِ اختر! سپہر شہریاری!! مدت سے ایک جادوگر اس فکر میں تھا، یہاں بہ مرتبہ نگہ بانی ہوتی تھی لیکن وہ کافر دھوکا دے کر لے گیا، آج تک محل میں نہیں گیا ہوں۔ وہ محل جو عشرت کدۂ خاص تھا، ماتم سرائے عام ہے۔ ہر سو شورِ رقّت، ہر سمت نالۂ پر آفت بلند ہے، کھانا پانی حرام، چھوٹا بڑا مبتلائے آلام ہے۔"

جانِ عالم نے کہا، "کچھ یہ بھی ثابت ہوا کہ کدھر لے گیا؟"

بادشاہ نے فرمایا، "پانچ کوس تک پتا ملتا ہے، آگے قلعہ ہے، سر بہ فلک کشیدہ، آگ سب بھری ہے، شعلہ سرگرم تا چرخِ چنبری ہے اور انگاروں کا انبار تا کرّۂ نار ہے، وہاں کا حال نہیں کھلتا، عقل بے کار ہے۔

شہ زادے نے کہا، "خیر! اگر حیاتِ مستعار باقی ہے، بہ مددِ ایزد کہاں جانے پاتا ہے۔" یہ کہہ کر اٹھا کہ "قبلہ! خدا حافظ۔" بادشاہ لپٹ گیا، کہا، "بابا! خدا کے واسطے اس خیالِ محال سے درگزر۔ طائرِ خیال کے اس دشت میں پر جلتے ہیں، پیکِ صبا کے پانو میں چھالے نکلتے ہیں۔ دوسرے، مجھے مفارقت تیری کب گوارا ہے، ایک کو دھوکے میں کھویا، تجھے دیدہ و دانستہ جانے دینے کا کہاں یارا ہے۔ ایسی آفت میں تجھ سے جوان کو جانے دوں، بڑھاپے میں بدنامی لوں۔ سلطنت حاضر ہے، بسم اللہ! حکم رانی کر۔ میں ضعیف ہوں، گوشے میں بیٹھ کر اللہ اللہ کروں۔"

شہ زادے نے عرض کی، "یہ تخت و سلطنت حضور کو مبارک رہے۔ بندہ آوارۂ خانماں، ننگِ خاندان، گھر کی حکومت و ثروت چھوڑ، عزیزوں سے منھ موڑ، خراب و خستہ سرگرداں، در بہ در حیران و پریشان ہو، یہاں تک پہنچا، اب یہ کلمہ ہتک

اور ذلت کا سننے کو جیتا رہوں، بیگانے ملک میں بادشاہت کروں۔ لوگ کہیں، جادوگر تو شہ زادی کو لے گیا، یہ شخص بے غیرت تھا، جیتا رہا، سلطنت کرنے لگا۔ جواں مردی سے بعید ہے، عاشق کو معشوق کی راہ میں جان دینا عید ہے۔"

اس گفتگو کی خبر محل میں پہنچی کہ آج اس طرح کا حسین، مہ جبین، انجمن آرا کا عاشق وارد ہوا تھا، وہ بھی حرارتِ محبت سے اسی آگ میں جلنے جاتا ہے۔ انجمن آرا کی ماں درِ دولت سرا پر چلی آئی۔ خواجہ سرا دوڑے، بادشاہ سے عرض کی: "جلد شہ زادے کو لے کر محل میں رونق فرما ہوجیے۔" بادشاہ جانِ عالم کو ہم راہ لے آرام گاہ میں تشریف لایا۔ وہ بھی ہزار جان سے نثار ہو، دیر تک پروانہ وار اس شمعِ انجمنِ سلطنت کے گرد پھری۔ رنڈیوں نے گھیر لیا، سب کو قلق ہوا۔

غرض کہ بہ ہزار سعی بادشاہ نے بہ منت صبح کی رخصت پر اس شب روکا۔ پہر بجے خاصہ طلب ہوا، شہ زادے نے انکار کیا۔ وہی نوّاب ناظر حاضر تھا، بانوبہ گرا، سمجھایا: "پیر مرشد! کئی دن سے محل میں کھانا پانی سب کو حرام ہے، جو آپ کچھ بھی نوش فرمائیں گے تو یہ سب کھائیں گے۔" ناچار، بہ خاطرِ فگار، دو چار نوالے پانی کے گھونٹ سے حلق میں اتارے۔ پھر ہاتھ منھ دھو، نیند کا بہانہ کر، پلنگ پر جا لیٹا، مگر نیند کس کی اور سونا کیسا۔

آخرش بصد نالہ و آہ، کراہ کراہ صبح کی۔ بعدِ فراغ نماز پر سوز و گداز، مرنے پر کمر باندھی۔ شب کو یہ خبر عام ہوگئی تھی کہ کل جادوگر کی لڑائی کو شہ زادہ آمادہ ہو جائے گا۔ پہر رات رہے سے مجمع عام درِ دیوانِ خاص پر تھا۔ یکایک بادشاہ تخت پر سوار، برابر شہ زادہ ڈالا تیار برآمد ہوا۔ چشمِ مشتاقاں میں نورِ طور، نزدیک و دور تجلی کر گیا۔ ہر شخص رو بہ قبلہ ہو، دعائے فتح و ظفر، اس ماہ پیکر کی مانگنے لگا۔ القصہ جہاں تک لوگ آتے جاتے تھے، بادشاہ ساتھ آیا، آگے بڑھنے کی تاب نہ لایا۔ جانِ عالم نے قسمیں دے کر رخصت کیا۔ ناچار، بادلِ داغ دار و خاطرِ فگار قلعہ میں داخل ہوا۔ مگر وہاں سے ڈیوڑھی تک صد ہا ہرکارہ، صبا دم متعین کیا کہ ہر دم کی خبر حضور میں پہنچے۔ جانِ عالم پھر اکیلا باحسرت و یاس رہا، غمِ دل برِ رفیقِ قدیم پاس رہا۔

آگ کا قلعہ سامنے تھا۔ آسمان سے زمین تک بجز شعلہ جوالہ یا انگاروں کا ڈھیر، اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ شہ زادہ غور سے دیکھنے لگا۔ یکایک ایک ہرن اس آگ سے نکلا، اچھل کود کر پھر

اس میں غائب ہوا۔ جب مکرر آمد و رفت کی، جانِ عالم نے لوحِ پیرمرد کی دیکھی۔ اس میں معلوم ہوا کہ اگر یہ اسم پڑھ کر ہرن کو تیر مارا اور خطا نہ کی، طلسم ٹوٹ جائے گا، اور اگر نشانہ چوکا، خود آماج گاہِ خدنگ قضا ہوا، کوئی راکھ کے سوا اپنا نہ پائے گا۔

شہ زادے نے کہا جو ہرن مارا تو لطفِ زندگی ہے، نہیں تو حیلۂ مرگ خوب ہے، بے یار جینا معیوب ہے۔ یہ سوچ، لب سوفار چلّے سے جوڑ، شست و مشت برابر کر، اسم شروع کیا۔ اُدھر ہرن نکلا، ادھر تیر کمان سے سرگوشی کر کے چلا۔ بس کہ یہ قدر انداز تھا، اس کی قضا دامن گیر، تیر دو سار ہوا۔ ہرن زمین پر گرا، آسمان سے دار و گیر کا غل اُٹھا، ہاں ہاں لیجیو! گھیریو! جانے نہ پائے!۔ قریب تھا خوف سے جی نکل جائے، زمانہ تیرہ و تار، صحرا پُر غبار ہوا، گھڑی بھر میں وہ تاریکی دور ہوئی، آفتاب نمودار ہوا۔ نہ آگ رہی نہ قلعہ، برابر سطحِ میدان، انسان نہ حیوان، مگر چبوترے پر لاش جھلسی ہوئی پاش پاش دیکھی یعنی وہ جادوگر کریہہ منظر سیندور کا ٹیکا ماتھے پر، زرد زرد دانت ہونٹوں کے باہر منھ ٹھری سے گندہ، شیطان کا بندہ، بالوں کی لٹیں لٹکی، ہڈیاں، کھوپڑیاں گلے میں پڑیں، کالا بھجنگا، بدن سے ننگا، تیر سے چھد کر جہنم واصل، وہ حواصل ہو گیا ہے۔ شکر کا سجدہ بجا لایا، قدم ہمت آگے بڑھایا۔ ہرکارے یہ ماجرا دیکھ فوراً حضور میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ مژدۂ فرحت افزا سن کر خوش ہوا، فرمایا، "یقینِ کامل ہے کہ جانِ عالم حسبِ دل خواہ مراجعت کرے گا۔"

اس عرصے میں شہ زادہ وہ وادیٔ پرخطر میدان سراسر ضرر کو طے کر، متصلِ قلعہ ساحر، جہاں انجمن آرا قید تھی، پہنچا۔ وہ عجیب معلّق قلعہ تھا، زمین سے چار پانچ گز بلند ایک تختہ کمہار کے چاک کی طرح بایں سرعت گردش میں تھا کہ نگاہ کام نہ کرتی تھی۔ آنکھ کی پتلی اتنا جلد نہ پھرتی تھی، بلند ایسا کہ دیکھنے میں پگڑی گرتی تھی۔ جانِ عالم وہاں ٹھہرا، وہ قلعہ بھی حرکت سے ساکت ہوا۔ جہاں جانِ عالم کھڑا تھا، زمرد کا بنگلہ نظر آیا۔ اس میں سے آواز آئی کہ اے اجل رسیدہ! کیوں ملک الموت کو چھیڑتا ہے، زندگی سے منھ پھیرتا ہے؟ مجھے تیرے حسن و صورت پر رحم آتا ہے۔ جلد یہاں سے جا! خطائے اوّل، عوضِ خوبیٔ شکل و شمائل معاف کی، وگرنہ بایں شدائد خواری قتل کروں گا کہ آسمان تیرے حالِ پریشاں پر خون روئے گا، بادشاہ تیرے غم میں جان کھوئے گا۔

شہ زادے نے ہنس کر کہا "اے مادرِ بے خطا! تو کیا ہماری خطا معاف کرے گا، کہاں تک لاف و گزاف کا دم بھرے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، اور تو کیا کہوں تجھے بھی اسی کے پاٹنتی بھیجتا ہوں۔"

یہ سن کر وہ جھلّایا، بنگلے سے سر نکال تھوڑے ماش اس بدمعاش نے اور کالا دانہ نکالا۔ ان دانوں کو اس احمق نے آسمان کی طرف پھینک مارا۔ دفعتہً ابرِ تیرہ و تار گھر آیا۔ شہ زادے پر پتھر اور آگ کا مینھ برسایا۔ یہ بھی اسمائے ردِّ سحر پڑھتا تھا، آگے بڑھتا تھا۔ جب آگ قریب آتی، پانی ہو کر بہہ جاتی اور پتھر بھی ہر ایک خاک تھا، ایسا وہ اسمِ پاک تھا۔ جادوگر خفیف ہو کر سحرِ تازہ کی فکر میں تھا۔ جانِ عالم نے لوح کو دیکھا، اس میں نکلا، کسی طرح لوح کو قلعے کی دیوار میں لگا دے، پھر قدرتِ خالق کا تماشا دیکھ لے۔ شہ زادے نے بہ جرأتِ تمام اچک کر لوح دیوار سے لگائی، اس پر آفت آئی۔ اس طرح کی صدائے ہیبت ناک آئی کہ ہزاروں توپیں ایک ساتھ چھٹیں تو ایسی نہ ہو۔ بدرجہ مہیب تھی کہ گاوِ زمین کا کلیجہ ہل گیا، خورشید برجِ اسد میں چھپ کر دہل گیا۔ چار گھڑی میں وہ تاریکی دور ہوئی، شہ زادے کی طبیعت مسرور ہوئی۔ نہ قلعہ نظر آیا نہ مکانات کا نشان پایا، لیکن ریت کا ٹیلہ، سرکنڈے گڑے اور کچا سوت نیلا پیلا ان پر لپٹا، کچھ پھندے پڑے، اس میں وہ ماہِ شب چاردہ، حور کی صورت، نور کا عالم، پریشان، بدحواس، سراسیمہ، متحیر، کوئی آس نہ پاس، ہر سمت حیران ہو ہو دیکھ رہی تھی۔ جانِ عالم نے پہچانا۔ تاب نہ رہی، جی سینے میں رعبِ محبت سے سنسنایا، اکیلا دیکھ کے کلیجہ منھ کو آیا۔ ہر چند ضبط کیا، نہ ہو سکا۔ تھرّاتا، دم چڑھا جاتا۔ دوڑ کر گر دیکھنے لگا، لڑکھڑاہٹ سے گرنے لگا۔

انجمن آرا نے شرما کر، سر جھکا کر کہا "سنبھلو صاحب! کچھ پاس لحاظ بھی کسی کا نہیں۔ یوں بے باکانہ پاس چلے آنا، حرکتِ مجنونانہ ہے، لوگ کہیں گے دیوانہ ہے۔" مگر اس گفتگو میں آنکھ بھی چار ہو گئی، سنانِ الفت ادھر تو گڑی تھی، ادھر بھی دوسار ہو گئی۔

انجمن آرا کو دلِ مضطر نے تڑپ کر سمجھایا، بے قراری میں اس پر قرار آیا کہ یہ منفرد عاشقِ صادق ہمارا ہے جو ایسی بلا سے نہ ڈرا، سر کو بیچ کر اس وادی میں پانو دھرا۔ جانِ عالم نے جواب

دیا، "چور کی داڑھی میں تنکا۔ میں تمھیں اپنا عاشق کبھی نہ سمجھوں گا، نہ معشوقوں کے دفتر میں آپ کا چہرہ لکھوں گا۔"

انجمن آرا نے کہا "عشق و عاشقی کی باتیں میری بلا جانے۔ رمز و کنایہ کسی اور سے جاکر کرو، اپنا چوچلا تہہ کر رکھو۔"

یہاں تو یہ نوک جھوک، چھیڑ چھاڑ ہو رہی تھی، وہاں خبرِ فتح و ظفر، ہرکاروں نے بادشاہ کو پہنچائی۔ وہ تو ہمہ تن گوش تھا، اسی وقت مع ارکانِ دولت روانہ ہوا۔ ایک سکھپال ہم راہ لیا، صبا دار بسنّاٹے میں آپہنچا۔ جو جو نزدیک تھے، دور کھڑے رہے۔ کہاریاں بادشاہ کا تخت قریب لائیں۔ انجمن آرا منھ چھپا کر بیٹھ گئی۔ جانِ عالم پاس سے سرکا، بادشاہ تخت سے اترا، جانِ عالم کو گلے لگایا۔ جرأت کی تعریف کی، ہمت پر تحسین و آفریں کہی، پھر بیٹی کو چھاتی سے لگا سکھپال میں سوار کیا، شہ زادے کو برابر تخت پر بیٹھا لیا۔

پھرتے پھرتے بادشاہ کے جلوس، سواری، نوبت و نشان، فوج، سب سامان آپہنچا۔ اہلِ شہر یہ خبر سن کر ہزاروں دوڑے، ملک کی رونق گئی ہوئی پھر آئی، خلقت نے جانِ تازہ پائی۔ محل میں انجمن آرا رونق افروز ہوئی، سب کو شادیِ نو روز ہوئی۔ انجمن آرا کی ماں گرد پھرتی تھی دم بہ دم سجدہ کر کے زمین پر گرتی تھی، کہتی تھی "ہمارے دن اللہ نے پھیرے، مگر بدولتِ جانِ عالم۔"

انجمن آرا جب یہ نام سنتی، خوش کیا، کھل جاتی، الا لوگوں کو سنانے کو تجاہلِ عارفانہ کر کے یہ سناتی، "صاحبو! کیا بار بار کہتے ہو، جو میرا مقدر رسا نہ ہوتا تو وہ کون تھا جو دن پھیرتا۔"

ہم صحبتیں مزاج داں، اس رکھائی سے تاڑ گئیں کہ آپ کی بھی آنکھ پڑی، طبیعت لڑی۔ جب اس کی ماں سرکی، وہ سب پاس آ آ کے کہنے لگیں، "ہے ہے! ہم تو تیری مفارقت میں مرتے تھے، زندگی کے دن گھڑیاں گن گن کے بھرتے تھے، یہ صورت اللہ نے دکھائی یا جانِ عالم کی جوتیوں کے صدقے سے نظر آئی۔ جس طرح ہمارے مطلب دلی ملے، خالق اس کے بھی جی کی مراد دے۔"

انجمن آرا غصّے کی شکل بنا، تیوری، بھنوں چڑھا کہنے لگی، "تم سبھوں کی شامت آئی ہے، کیا بیہودہ بک بک مچائی ہے۔ خدا جانے یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ سبھوں نے میرا مغز کھایا ہے۔

اُسے تو کیا کو سنوں، وہ تو سا فرِ بے چارہ ہے، جو میں آتا ہے اس کا منہ نوچوں جس نے یہ نخر اٹھارا ہے۔ اور بھی مجھے چھیڑو گی تو میں رو دوں گی، اپنا سر پیٹ لوں گی۔" یہ کہہ کر مسکرانے لگی، ہونٹ چبانے لگی۔

تمام شہر میں عیش و نشاط، راگ رنگ کی مجلس با فرحت و انبساط ہوئی۔ محل میں بر محل رت جگے، صحنک، جا بہ جا کونڈے، حاضری، دونے، پڑیاں منتوں کی، جس جس نے مانی تھی کرنے بھرنے دینے لگیں۔ اور ڈومنیاں تڑاق بڑاق، پری وش، خوش گلو، بہ انداز مع سامان و ساز حاضر ہوئیں۔ مبارک سلامت کہہ کر شادی مبارک گانے، پچھیے بجانے، نئی مبارک باد سنانے لگیں۔

ترانہ سنجیِ عندلیبِ خامہ در محفل سور و سرورِ شادی و عروسی و دامادی اس مصائب کشیدۂ فراق اور ہمہ تن اشتیاق یعنی شہزادہ جانِ عالم کی، پہلے اجازت طلب ہونا، اس کا رونا پھر سامان برات کا

سرود سرایانِ بزمِ شادی و نغمہ پردازانِ محفلِ عروسی و دامادی، انجمنِ بیان میں یوں زمزمہ سنج ہوئے ہیں کہ جلسۂ عیش و طرب سے فرصت سب کو ہوئی۔ ایک روز بادشاہِ جم جاہ محل سرائے خاص میں جلوہ بخش تھا۔ بی بی سے خلوت میں فرمایا: "حقوق اور احسان جیسے جانِ عالم کے ہمارے ذمۂ ہمت ہیں، تمام عالم جانتا ہے، اور یہ بھی نزدیک و دور مشہور ہے کہ عشقِ انجمن آرا میں نادیدہ مبتلا ہو، سلطنت کھو، یہاں آیا ہے، اور کس مردانگی سے جادوگر کو مار کر اس کے پھندے سے چھڑایا ہے۔ مناسب کیا، ضرور ہے کہ جلد سامانِ شادی درست کر، منعقد کرو، خدا جانے آج کیا ہے، کل کیا ہو۔"

اس نے عرض کی: "جو رائے اقدس میں گزرا یہی میرا عین مطلب تھا۔"

بادشاہ نے فرمایا: "آج انجمن آرا سے یہ مقدمہ اظہار کر کے جوابِ باصواب حاصل کر لو، کل سے سرگرمِ سامانِ شادی ہو۔" یہ کہہ کے بادشاہ دیوانِ عام میں رونق افروز ہوا۔ انجمن آرا کو ماں نے طلب کیا۔ پہلے بیٹی کو گلے سے لگایا، پیار کیا، پھر کہا: "سنو پیاری! دنیا کے کارخانے میں یہ رسم ہے کہ بادشاہ کے گھر سے فقیر تک، بیٹی کسی کی ماں باپ پاس ہمیشہ نہیں رہتی اور غیرت دار گھر میں لڑکی جوان ہر وقت رنج کا نشان، خفت کا سامان ہے اور خدا اور رسول کا حکم بھی یہی ہے۔ ورائے ان باتوں کے ایک شخص نے تمھارے واسطے گھر بار چھوڑا، سلطنت سے ہاتھ اٹھا، کسی آفت سے منہ نہ موڑا، جی پر کھیل گیا، کیا کیا بلائیں جھیل گیا۔ جب تم نے ہم کو دیکھا، ہم نے تمھاری صورت دیکھی۔ شکل میں پری شمائل، فرخندہ خو، فرشتہ خصائل، تمام شہر عاشقِ زار ہے، چھوٹا بڑا اس پر فریفتہ اور نثار ہے۔"

انجمن آرا نے یہ سن کر سر جھکایا، رونے لگی۔ کہا: "حضرت! شکل صورت کا مذکور یہاں کیا ضرور تھا۔ یہ اللہ کی قدرت ہے کسی کو بنایا کسی کو بگاڑا۔ اور جو بارِ احسان سے دب کر فرماتی ہو کہ ایسا کرو تو دنیا عالمِ اسباب ہے۔ ایک کا کام دوسرے سے ہوتا آیا ہے۔ یہ شخص نہ آتا اور میرے مقدر میں رہائی ہوتی، کچھ ایسا سامان نکل آتا اور کوئی اللہ کا ولی پیدا ہو جاتا۔ میری قسمت کم بخت بری ہے، ایک مصیبت سے چھٹ کر دوسری آفت میں پھنسایا۔ خدا جانے وہ کون ہے کہاں سے آیا ہے، اپنے تئیں شہزادہ بنایا ہے۔ اگر مزدوری کی اجرت، خدمت کا انعام منظور ہے کہ بادشاہوں کے نزدیک احسان کسی کا اٹھانا بہت دور ہے، تو روپیا، اشرفی، جاگیر عنایت کرو کہ اس کا بھلا ہو، کام ہو، آپ کا نام ہو۔"

یہ فقرہ سن کے وہ بہت ہنسی، کہا: "شاباش بچی! اس کی جاں فشانی کی خوب قدردانی کی۔ واقعی وہ بے چارہ تمھارے ملک کا یا روپے پیسے کا محتاج ہے، اری نادان! وہ تو خود صاحبِ تخت و تاج ہے۔" وہ جو دائی، ددا، اتو، مغلانیاں، پرانی پرانیاں حاضر تھیں، بولیں: "قربان جائیں، واری، ماں باپ کی عدول حکمی میں خدا اور رسول کی نافرمانی ہوتی ہے، تمھیں انکار مناسب نہیں۔ آدمی روز بروز عقل و شعور سیکھتا ہے، نشیب و فراز، بات کا محل و موقع سوچتا سمجھتا ہے، تم سلامتی سے ابھی تک وہی بچپنے کی باتیں کرتی ہو،

کھیلنے کودنے کے سوا قدم نہیں دھرتی ہو۔"

انجمن آرا نے جواب نہ دیا، سر زانو پر رکھ لیا۔ لیکن وہ جو امیر زادیاں، اس کی ہم نشیں، جلیسیں تھیں، بولیں، "ہے ہے لوگو! تمھیں کیا ہوا ہے، آتو جی صاحب! بے ادبی معاف، آپ نے دھوپ میں چونڈا سفید کیا ہے۔ خیر ہے صاحبو! دلہن سے صاف صاف کہلوایا جاتی ہو۔ دنیا کی شرم و حیا نگوڑی کیا اڑ گئی۔ الخاموشی نیم رضا، بوڑھے بڑے کے روبرو اور کہنا کیا۔"

یہ سن کر آتو قدیم جس نے انجمن آرا کو پالا، بڑھایا لکھایا تھا، اس نے مبارک باد کہہ کے انجمن آرا کی ماں کو نذر دی۔ محل میں قہقہے مچے، شہزادی رونے لگی۔ نواب ناظر بیگم کی نذر لے کر بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ یہاں تو ارکانِ سلطنت اسی دن کے روز منتظر رہتے تھے۔ یہ مژدۂ فرحت افزا دریافت کر کے اٹھے، بہ مراتب نذریں گزریں۔ بادشاہ نے وزیرِ اعظم سے ارشاد کیا، "جانِ عالم یہاں مسافرانہ وارد ہے، تم اموراتِ محل میں مستعد ہو، ہم اس کا سامان سرانجام کریں۔"

القصہ بموجب احکامِ اختر شناسان، بلند بیں، فلک سیر، ماضی مستقبل کے حال داں، مانجھے کا جوڑا دلھن کے گھر سے چلا۔ سنہرے خوانوں میں ہینڈیاں، مقوی، مفرح، ذائقہ ٹپکتا، خوان نمک بسا، اور دودھ کے واسطے اشرفیوں کے گیارہ توڑے، طلائی چوکی، جواہر جڑا، زمرد نگار کٹورا بٹنا ملنے کا، کنگھا یہ از عقدِ ثریا، لنگی ملتان کی تھی۔ یہ باہم، قدم قدم اس سامان سے وہ سب مانجھے کے، درِ دولت نوشاہ پر جلوس گئے، شہر کے کوچہ و بازار بس گئے۔ وہاں دولھا، یہاں دلھن نے مانجھے کے جوڑے پہنے۔

اس سے پہلے بہ تعیینِ تاریخ روزِ شادی، نامے بادشاہوں کو، فرمان راجہ بابو کو، صوبہ داروں کو شقے، عاملوں کو پروانے جا چکے تھے۔ دو چار منزل گرد و پیش سرِ راہ دو دو کوس کے فاصلے سے باورچی اور حلوائی، کھانا مٹھائی تیار کیے بیٹھے رہتے تھے کہ اس عرصے میں جو مسافر گزرے یا طلبیدۂ بادشاہ آئے، بھوکا نہ جائے۔

غرض کہ دو منزل، چار منزل بلکہ دس بیس دن کے راہ سے تماش بین، بے فکرے، لکھنؤ والوں سے سیر دیکھنے کو آئے اور ساچق کا دن آیا۔ پچاس ہزار

چوگھڑے، روپہلے، سنہرے، جواہر نگار، نقل اور میوے بے بالب، لاکھ خوان بہ حسن و خوبی بسیار پر تکلّف سب۔ پچاس ہزار میں مصری کے کوزے۔ نقرئی دہی کی مٹکی، گگھے میں مچھلیاں نارڑے سے بندھیں، آرائش کے تختت بے حساب۔

اس انداز سے ساچق گئی۔ مہندی کی شب ہوئی۔ وزیر درست تدبیر نے خوب تیاری کی۔ ہزار ہا من نارنول کی مہندی، ایک بار لگائے لال ہو، تمام عمر کفِ افسوس ملے، ایسا ملال ہو۔ جڑاؤ سینیوں میں حنا، شمع مومی و کافوری اُس پر روشن، طلبد کے خوانوں پر جوبن، بہت چمک دمک سے مہندی لایا اور یہ رنگ ڈھنگ حُسنِ تدبیر سے دکھایا کہ تمام ہم چشموں میں سُرخ رُو ہوا۔

برات کی رات کا حال سُنو! دیوانِ خاص سے دلھن کا مکان پانچ کوس تھا۔ دونوں طرف بلّور کے جھاڑ، آدمی کے قد سے دو چند، سو سو بتّی کے سر بلند، پانچ پانچ گز کے فاصلے سے روشن اور دس گز جدا نقرئی طلائی پنج شاخہ جلتا۔ روشنی یہ روشن تھی کہ چیونٹی ہموار کو بہ ہیئتِ مجموعی مفصّل معلوم ہوتی تھی۔

غرض کہ دولھا سوار ہوا، بھر رات رہے دلھن کے دروازے پر پہنچے۔ ماما، اصیلیں دوڑیں۔ پانی کا طشت ہاتھی کے پانو تلے پھینکا، کسی نے کچھ اور ٹوٹکا کیا۔ دولھا اتر کر مجلس میں داخل ہوا۔ ناچ ہونے لگا۔ قریبِ صبح قاضی طلب ہوا۔ بہ ساعتِ معیّن کئی سلطنت کے خراج پر مہر بندھا، طالب و مطلوب کو سلکِ ازدواج میں منسلک کیا، مبارک سلامت کا غل مچا۔ دولھا زنانے میں طلب ہوا، وہاں رسمیں ہونے لگیں۔ وہ بھی عجیب وقت تھا، آرسی مصحف رُو بہ رُو، محبوبِ دل خواہ دو بہ دو۔ سورۂ اخلاص کھلا، آئینہ رونمائی میں مزے لوٹتا، سلسلۂ محبت مستحکم ہو رہا۔ ڈومنیوں کا سٹھنیاں گانا، دولھا دلھن کا شرمانا، کبھی ٹونے، گاہ اچھّے بنے سلونے۔ ہم جولیوں کا پوچھنا، "ٹونا لگا؟" دولھا کا ہنس کے کہنا، "غرمہ ہوا" کوئی دلھن کی جوتی دولھا کے شانے میں چھوا گئی، کوئی اسی کا کاجل پارا ہوا لگا گئی۔ ہم سِنوں کی چھیڑ چھاڑ، ان کے جوبن کی بہار، فقط ململ اور شبنم کے دوپٹّوں کی آڑ۔ جس دم یہ رسمیں ہو چکیں جب نوبات کی نوبت آئی، عجب سیر نظر آئی، اس طرح کبھی کہ دیکھی نہ سُنی۔

جب یہ رسمیں ہو چکیں، پھر ڈومنیوں نے پاہونی گائی، سب کی چھاتی بھر آئی، کہرام مچا۔ جب دلھن سب سے رخصت ہونے لگی، رو رو جی کھونے لگی، سواری تیار ہو دروازے پر آئی۔ دولھا نے سہرا سر سے لپیٹ دلھن کو گود میں اٹھایا، سب کا دل امنڈ آیا، شور و غل مچایا۔ غرض کہ دلھن کو سکھپال میں سوار کیا۔ بادشاہ نے ملک و سلطنت، خزانہ جہیز میں لکھ دیا، برات رخصت ہوئی۔

قصہ مختصر، دولھا شگفتہ خاطر، خنداں، چہرے پر شباب کی چمک، عارضِ تاباں سے حسن کی بہار عیاں، ہاتھی پر سوار، گرد شاہ و شہریار، زرِ سرخ و سفید نثار ہوتا، ہر چوک ہو کے دیوانِ خاص میں داخل ہوا۔ جو رسمیں یہاں کی تھیں، ہونے لگیں۔ بکرا ذبح کیا، انگوٹھے میں لہو لگا دیا۔ پھر کھیر کھلا کے رسومات سے فرصت پائی۔

بعد رسمِ چوتھی چالے کے، لبِ دریا ایک باغ بہت پُر تکلف کا نشاط افزا نام، بادشاہ نے رہنے کو عنایت کیا۔ اگر اس باغ کی تعریف رقم کروں، شاخِ زنبق و نرگس کی ٹہنی کو لاکھ بار قلم کروں، الا خضر کی حیات، رضواں کا ثبات درکار ہے، نہیں تو ناتمام ہے، لکھنا بے کار ہے۔ سو بار خزاں جائے، بہار آئے، ایک پٹری کی روشِ صفا تحریر نہ ہو سکے، خامۂ مانی پھسل جائے۔ رشکِ گلزارِ جناں، ایک تختۂ فردوس سا، کہئی کو سن کا باغِ بے پایاں، بابرگ و بار، گل اس کے، جورِ خزاں سے آزاد بالکل۔ نہ بلبل پر ستمِ باغباں نہ خوفِ صیاد، عجائب و غرائب چہچہے، نئے رنگ ڈھنگ کے ترانے یاد۔ جتنے دنیا کے میوے ہیں تر و تازہ، ہمیشہ تیار، سرسبز پتے، خوش رنگ پھول پھل مزے دار، گل تکلیفِ خار سے بری، جہان کی نعمت ہر تختہ میں بھری روش کی پٹری پر مہندی کی ٹٹیاں کتری ہوئی برابر، چمن میں وہ درخت پھلے پھولے، جسے دیکھ کر انسان کی عقل بھولے، پھولوں کی بوئے خوش سے دل و دماغ طاقت پائے، جو پھل نظر سے گزرے بارِ خاطر نہ ہو، ذائقہ زبان پر، منہ میں پانی بھر آئے۔ نہریں ہزار در ہزار، پُر از آبشار، گرد چرند و پرند، خوب صورت، قطع دار، باغبانیاں، پری زاد، حور وش، کم سن، مہ لقا، بیلچے جواہر نگار ہاتھوں میں، ہر ایک آفت کا پرکالہ، دل ربا، سیمائے کنوئیں پختہ، جڑاؤ چرخی رسی کلابتو کی، ڈول وہ کہ عقل دیکھ کر ڈانواں ڈول ہو، چرسے پر نزاکت برسے، بیل کے بدلے نیل گائے

کی جوڑیاں، آہو جن کے روبرو چکارہ۔ ایسے باغِ پربہار میں جانِ عالم اور انجمن آرا ہاتھ میں ہاتھ، پریوں کا اکھاڑہ ساتھ، دین و دنیا فراموش، ہردم نوشا نوش، باعیش و نشاط اوقات بسر کرنے لگا۔ جہان کا ساز و سامان ہردم مہیا، شراب و کباب، چنگ و رباب کا جلسہ، نخدت گزاریں پری پیکر، ماہ طلعت، سب کام کو حاضر جیسے کنھیا شامِ عشرت سحر کرنے لگا۔ نہ خیال اپنے شہر و دیار کا، نہ خوف گردشِ روزگار کا، نہ دھیان اس جگر فگار کشتۂ انتظار، ملکۂ مہرنگار کا۔

پھر مذکور اس مہجور کشتۂ فراق کا سوختہ آتشِ اشتیاق کا۔

وہ کون؟ خستہ و محزوں، جگر برشتہ، دل خوں، ملکۂ مہرنگار، شہزادے کے آنے کی امیدوار، اور حکایاتِ ضرب المثل ــــ

نالہ نوازانِ بزمِ ماتم و تفتہ جگرانِ کلبۂ غم، حاکیانِ حکایتِ اندوہ و ملال و نثارانِ دل خوں، آشفتہ حال لکھتے ہیں کہ اس بے سر و ساماں، کشتۂ ہجراں، دور از دل دار و ہم قرینِ غم، رونا دیدۂ شادی، حجلہ نشینِ ماتم، دل ریش، سینہ فگار یعنی ملکۂ مہرنگار کا فرقت میں یہ حال ہوا، جو کوئی کہتا "خیر ہے، ملکہ گھلی جاتی ہو، کیوں اتنا رنج و غم اٹھاتی ہو؟" تو یہ ایسی باتیں درد آمیز، وحشت آنگیز کرتی کہ سننے والوں کو چھاتی پھٹتی۔ وہ کہتیں، "ملکہ نظر بہ خدا رکھو۔" یہ سُن کر وہ کہتی کہ میں چراغِ سحری ہوں، یقین ہے کہ تا صبح جل کر بزمِ جہاں سے سفری ہوں۔ آج تک اس غفلت شعار فراموش کار کی کچھ خبر نہ آئی، ہم نے غمِ جدائی میں جان گنوائی۔

یہ معمول تھا جب چار گھڑی دن رہتا، سوار ہو کر ان درختوں میں جہاں جانِ عالم سے ملاقات ہوئی تھی، جاتی اور کبھی صبح سے پھرتے پھرتے قریبِ شام، بادلِ ناکام اسی جنگل میں پھر آتی، رات کو بہ حالِ بے قرار، وہ سوگوار، ناچار گھر آتی، تمام شب کراہ کراہ سب کو جگاتی۔

وہ رات جسے شبِ فرقت کہتے ہیں بے چینی سے پہاڑ ہو جاتی، تو وہ غم کی ماری سخت گھبراتی۔ شب کو نالہ تھا، دن کو زاری تھی، دن رات اس پر سخت بھاری تھی۔

معاملاتِ عشق دیکھیے، وہاں شہزادے کو غم سے فراغ، کیفیتِ باغ، گل عذار بغل میں، راحت و آرام، یہاں ملکہ آتشِ فراق سے بادلِ پُر داغ، خارِ غم جگر میں، گرفتارِ رنج والام۔ لیکن دردِ دلِ بے قرار، نالۂ جگر افگار رائیگاں نہیں جاتا۔ جب تڑپ بلبل کے دل میں زیادہ ہوتی ہے، موسمِ گل آتا ہے، اسی طرح سوزِ دلِ عاشق جو حد سے فزوں ہو معشوق رحم کھاتا ہے۔ بھولا ہوا یاد آئے، وگرنہ ہجر میں پھڑک کر مر جائے، مطلوب کو نعش پر لائے، اس کی بھی جان گنواتا ہے۔ حضرتِ عشق، دشمنِ جانِ عاشق و معشوق ہیں، ان کا حال کیا کہیں!

آخر کثرتِ انتظار سے نظر کمی کرنے لگی، اور جانِ زار تڑپنے سے دلِ بے قرار کے برہمی کرنے لگی۔ اس وقت کششِ محبت ملکۂ مہر نگار نے جانِ عالم کے دل کو بے چین کیا۔ خیال آیا کہ خدا جانے صدمۂ فرقت سے اس کا کیا حال ہو گا، دل نے کہا جینا وبال ہو گا۔ گھبرا کر دست پاچہ ہوا، عیش و نشاط بھولا، یہ تازہ گل پھولا۔ انجمن آرا سے کہا" زیادہ طاقتِ مفارقتِ احبابِ وطن مجھ خستہ تن کو نہیں، آج بادشاہ سے رخصت خواہ ہوں گا" بہر حال اطاعت اور رضا اس کی جمیع امور پر مقدم جانتی تھی، کہا" مجھے بھی تمنائے سیرِ کوہ و بیابانِ بے پایاں ہے۔" شہزادہ موافقِ معمول دربار میں حاضر ہوا اور سلسلۂ سخن بہ طلبِ رخصتِ وطن کھولا۔ بادشاہ محزون و غم ناک ہو، فرمانے لگا" یہ کیا کہا، جو کلیجا منھ کو آنے لگا۔ جانِ من! تابِ جدائی نہیں، رخصتِ بادیہ پیمائی نہیں۔ اگر خواہشِ سیر ہے تو فضا اس نواح کی جا بجا مشہور ہے، خزانہ موجود، فوج فرماں بردار، ملک حاضر، جو منظور ہے۔"

جانِ عالم نے دست بستہ عرض کی،" اے شہر یارِ باوقار، پر تمکیں! برس دن ہی حضور کو مجھ غم گین سے یہ محبت ہوئی کہ مال و ملک، سلطنت، بلکہ جان تک سے دریغ نہیں۔ وائے برحالِ مادر، پدر، سوختہ جگر، جنھوں نے لاکھ منتوں کر کر، مرادوں سے دن کو دن، نہ رات کو رات جان کر سولہ سترہ برس دنیا کی خاک چھان کر مجھ کو پالا، ولولۂ طبیعت نے گھر سے نکالا اب مدتِ مدید، عرصۂ بعید گزرا، انھیں میرے مرنے جینے کا حال معلوم نہیں۔ ان کے صدمے کو

غور کیجیے رخصت بہر طور کیجیے۔ آدمیت سے بعید ہے، آپ عیش و نشاط کرے، ماں باپ کو رنج و تعب میں چھوڑ دے۔ امیدوار ہوں، اس امر میں حضور کد نہ کریں، بہ کشادہ پیشانی اجازتِ وطن دیں۔ اگر حیاتِ مستعار، زیست ناپائیدار باقی ہے، پھر شرفِ آستاں بوسی حاصل کروں گا، نہیں تو اس فکر میں گھٹ گھٹ کر مروں گا۔ دین برباد ہوگا، دنیا میں عزت و آبرو نہ رہے گی، خدا ناخوش ہوگا، خلقت تن پرور، راحت طلب کہے گی۔"

بادشاہ سمجھا یہ اب نہ رکے گا۔ آنسو آنکھوں میں بھر کر کہا "خیر بابا! مرضیِ خدا جو تیری رضا، مگر تیاریِ سامانِ سفر کو چالیس دن کی مہلت چاہیے۔"

جانِ عالم نے یہ بات قبول کی۔ یہ تو رخصت ہو کر گھر آیا، خبردار دن نے اس حال کا خاص و عام میں چرچا مچایا۔ خلاصہ یہ کہ شدہ شدہ یہ غلغلہ گھر گھر ہوا، خورد و کلاں، بوڑھا اور جوان شہر کا اس خبر سے باخبر ہوا۔

عزمِ جانِ عالم زرنگار سے سوئے وطن،

تیاریِ سامانِ رخصت، انجمن آرا کی عزیز و اقربا سے فرقت

اور پہنچنا ملکہ کے پاس، پھر نکاح کرنا

طے کنندگان ملک معانی و سیاحان اقلیمِ ملکِ خوش بیانی، بادیہ پیمایانِ بے توشہ بارِ محبت برسر، راہ نوردانِ ہوش باختہ، بے راہ بر، یاد دل دار در دل، دین و دنیا فراموش الم ہمراہ، ہر گام نالہ و آہ، تصورِ یار ہم آغوش، لکھتے ہیں کہ اس عازم سمتِ معشوقِ عاشق خصال کو چلّہ وہیں گزرا۔ سامانِ سفر تیار ہوا۔ اب صبح کو اس چلّہ نشین حجرۂ محبت کی رخصت ٹھہری۔ سرِ شام بادلِ ناکام، بادشاہ دامنِ سحر کی صورت گریبان چاک کر، مع ارکانِ سلطنت دو کوس شہر سے باہر سرِ راہ دامنِ کوہ پر جا بیٹھا۔ وزیرِ خوش تدبیر سے فرمایا کہ تم شہزادے کو

رخصت کر دو! ہم یہاں سے جلوس، سواری، سامانِ سفر دیکھ لیں گے۔ یہ خبر اہلِ شہر کو معلوم ہوئی۔ تمام خلقت، پانچ برس کا لڑکا، بچا نوے برس کا بوڑھا، رنڈی، مرد، دو دو سرے پہر سے تکیے پر اُسی دم جمع ہوا۔ جھٹپٹے وقت جان عالم نے سواری طلب کی، ہرکاروں نے حضور میں عرض کی۔ بادشاہ راہ کی طرف متوجّہ ہوا۔

شاہِ خاور بھی دریچۂ مشرق سے سر نکال مشغولِ نظارہ ہوا، حسرت میں وطن آوارہ ہوا۔ دمِ سحر نسیم و صبا کی فرفر، شمع کا جھلملا جھلملا اُداس جلنا، سواری کا آہستہ آہستہ چلنا، پہاڑی جانوروں کی سیر، ذکرِ حق میں وحش و طیر، سرسبز درخت لہلہے پھول رنگ برنگ کے ڈہڈہے سقّوں کی آبپاشی، صدائے نالۂ مرغانِ خوش الحان سے دل خراشی، خسروِ انجم کا مع ثابت و سیارہ چھپتے جانا، سورج کی کرن کا جگمگانا، پھولوں کی بُوباس، چشمہ سرد و شیریں آس پاس۔ خلق کا مجمع، دامنِ کوہ پر سب کی نگاہ، کبھی اس کیفیت پر، گاہ اس انبوہ پر۔ ادھر مسافروں کی کثرت، ادھر بادشاہ پرارمان، خلقِ خدا باحسرت، بہ چشمِ انتظار، امیدوارِ آمدِ پیادہ و سوارِ محوِ تماشائے عجائب روزگار تھے۔

جان عالم نے دیکھا، ظلِ سبحانی کے چشمۂ چشم سے جوئے خوں جاری، ہچکی لگی، بے قراری طاری۔ گھوڑے سے کود کر تسلیمات بجا لایا۔ بادشاہ نے بہ قسم فرمایا "اس وقت ہمارے پاس نہ آؤ، خدا کو سونپا، چلے جاؤ۔"

مجبوراً شہزادہ مجبر اکر سوار ہوا۔ جس دم جانِ عالم نے گھوڑا بڑھایا، تمام خلقت کا جی بھر آیا۔ علی الخصوص بادشاہ کی بے قراری، جانِ عالم اور انجمن آرا کی گریہ و زاری دیکھ کر تمام تماشائی واویلا مچا کہنے لگے "آج رونقِ شہر کی رخصت ہے، زینتِ سلطنت کی فرقت ہے، ایسے مہر و ماہ کے جانے سے شہر میں غدر پڑے گا، اندھیر ہو جائے گا، ان کا الم جدائی و رنج دشت پیمائی ہزار روزِ سیہ، شامِ غم دکھائے گا۔"

غرض کہ تا شام، بہیر، بنگاہ، بازاری، سرکاری، سب لوگ چلے گئے۔ لکھا ہے کہ روپے اور اشرفیاں امام ضامن کی درمِ رخصت اتنی آئیں کہ تمام راہ پیدل مسافروں نے پائیں اور کھجور کلچوں کا یہ حال ہوا کہ راتب کے سوا ہاتھیوں کو کلچے ملے اور اہلِ لشکر کو بانٹ دیے۔ کھجوریں جو بچ نہ سکیں

راہ میں پھینک دیں۔ وہ اُگیں، اُن کے درخت آگے کم تھے، اُس دن سے جنگل ہو گئے۔ اس وقت بادشاہ سراسیمہ، بدحواس، باحالِ یاس دولت سرا میں آیا، وہ بسا بسایا شہر تھا، اُجڑا، ویران نظر آیا۔ بازار میں جا بجا چراغ گل، سرِ شام پگڑی غائب، اندھیرا بالکل۔ جس طرف دیکھا، لوگ تھکے ماندے بھر کر پڑے تھے، بازار میں تختے لگے، تیرّ جڑے تھے۔ خلقِ خدا اندوہ کی مبتلا، سب اس یوسفِ رفتہ کے زندانِ فراق میں اسیرِ بلا۔ یہ تو سب نالہ بلب، آہ در دل، جانِ عالم اور انجمن آرا روبہ منزل۔ پانچ پانچ کوس کا کوچ، دو چار دن کے بعد ایک دو مقام بہ راحت و آرام کرتے چلے۔ فوجِ ظفر موج ساتھ، اردوئے معلّٰی کا عجب عالم تھا۔ ایک شہر روز ہمراہ، جہان کی نعمت تیار، شام و پگاہ۔ صرّاف، بزّاز، جوہری، روپیہ پیسہ اشرفی کھرے سے کھری۔ ڈھاکے کا ریزہ، بنارس کا گل بدن، گجرات کا کم خواب، الماس زمرّد، یاقوتِ احمر، جو چاہو سو لو۔ ایک طرف قصاب اور نان بائی پکی پکائی لیے، میوہ فروش، خانہ بدوش، حلوائی طرح طرح کی مٹھائی درست کیے۔ مینا بازار، باغ و بہار، جُدا جدا ہر گنج کا جھنڈا گڑا، چوپڑ کا بازار پڑا۔ جلو خانے کے روبرو، نصف شب گزرے تک دکانیں کھلیں۔ اکاسی دیا جلتا، بھولا بھٹکا اس کی روشنی میں آلگتا۔ کوتوال سرگرم پاسبانی، بازاریوں کی نگہبانی، نرسنگا پھنکتا۔ غرض کہ سب خرم و شاداں رواں تھے۔

ورودِ لشکرِ فیروزی اثر، دیارِ ملکہ مہر نگار میں، پیر مرد کی ملاقات اور انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کی رد و بدو گفتگو، پھر جانِ عالم کا نکاح، بعدہٗ رخصت بصد شوکت و حشمت

مشاطۂ خامہ نے عروسِ دل فریبِ سخن کو بصد زیب و زینت حجلۂ بیان میں اس طرح گویا کیا ہے کہ جس روز ورودِ لشکرِ فیروزی اثر، ملکہ مہر نگار کے باغ سے قریب ہوا، خبر داروں نے یہ مژدۂ جاں بخش فوراً ملکہ کو پہنچایا کہ مبارک ہو شہزادہ تشریف لایا۔

بس کہ غمِ مفارقت سے تاب و طاقت طاق تھی، سنتے ہی غش آیا، پھر سنبھل کر فرمایا، "بختِ خفتہ کب بیدار ہوتا ہے، ایسا پانو پھیلائے سوتا ہے۔ چند سے جو یہی لیل و نہار ہے تو قصّہ فیصلہ ہے، تقدیر خلاف، تدبیر سراسر بے کار ہے۔"

اس عرصے میں وہی خواصِ دل آرام، بارہ دری سے نیچے اتری، پھر کہا، "خدا جانے کہاں سے لشکر اُترا ہے؟"

ملکہ ہنس کر، بہ حیلۂ سیر خواصوں کے کندھوں پر ہاتھ دھر، ٹھنڈی سانس بھر کوٹھے پر چڑھی۔ دیکھا تو فی الحقیقت لشکرِ بے پایاں، سپاہِ فراواں ہے۔ خیامِ شاہی استادہ ہیں، پھرتے چلتے سوار اور پیادہ ہیں۔

یکایک شہزادہ جانِ عالم بہ چند سوار، باسپ صرصر خرام، رخشِ تیز گام پر سوار نظر آیا۔ وہ زردیٔ چہرۂ پرغم، مژدۂ وصل کی سرخی سے بدل گئی، غش سے سنبھل گئی۔ شہزادہ گھوڑے سے اُتر سیدھا ملکہ کے باپ کے پاس گیا، رسمِ سلام بجا لایا۔ اس نے دعائے خیر دے کر چھاتی سے لگایا، کہا، "للہ الحمد! تمھیں بہ صحت و عافیت اللہ نے کامیاب دکھایا۔" پھر انجمن آرا کی سواری آئی، تسلیم کی۔ پیر مرد نے فرمایا، "شہزادی! فقیر کے حال پر رحم کیا، اللہ بھلا کرے۔"

اس نے عرض کی کہ "کنیز مدت سے حضور کی صفت و ثنا ظلِ سبحانی کی زبانی سنا کرتی تھی۔ آج شہزادہ کی بدولت سعادتِ آستان بوس حاصل ہوئی۔" دو گھڑی بیٹھی، پھر التماس کیا کہ "اگر اجازت دیجیے، ملکہ کی ملاقات سے مسرور ہوں۔"

اس مردِ حق پرست نے فرمایا، "اس کا پوچھنا کیا بابا! بے تکلف خانۂ شما است۔"

جانِ عالم رخصت ہو خیمہ میں آیا، انجمن آرا نے ملکہ کے مکان کا رستہ لیا۔ آنے کی خبر پیشتر ملکہ کو پہنچی تھی، سامان اس اجڑے مکان کا درست ہو چکا تھا۔ جب سواری اتری، لبِ فرش لینے آئی، فراخی سلام کیا، اس نے گلے لگا لیا۔ ملکہ آبدیدہ ہو کر بولی، "تم نے مجھے محجوب کیا، میں فقیر کی بیٹی، تم شہزادی، ہر چند شاہ و گدا دونوں بندۂ خدا ہیں، الّا تمھارے قدم آنکھوں پر رکھوں تو بجا ہے، آپ کے آنے سے مجھے بڑا افتخار حاصل ہوا ہے۔"

انجمن آرا بولی، "ہم نے خوب کیا! رنڈی یہ چونچلے کی باتیں بیگانہ وار نہ کرتی تو کیا

ہوتا۔ اے صاحب! ہمارے تمھارے تو رشتہ ہم سری، سر رشتہ برابری کا ہے اور حساب کی راہ سے پہلے تو سلامتی سے تمھیں ہو!"

غرض کہ دو دو نوکیں ہو گئیں۔ پھر اختلاطِ حرف و حکایات، رمز و کنایہ شب بھر رہے۔ جس وقت عروس شب نے مقنعۂ مغرب میں منھ چھپایا اور نوشاہِ روز مشرق سے نکل آیا، انجمن آرا جانِ عالم کے پاس آئی، دیر تک اخلاق و محبتِ ملکہ کا مذکور کیا کی کہ اس صفت کی عورت آج تک نہ دیکھی تھی۔

دوسرے دن جانِ عالم نے ملکہ کے باپ سے عرض کی، "الکریم اذا وعدہٗ وفا" اس سالکِ راہِ حق نے ارشاد فرمایا، "ہم اس لائق کہاں ہیں۔ تم قول کے پورے، اقرار کے سچے ہو۔ بسم اللہ، اپنے زمرۂ کنیزاں میں سرفراز کرو، شادی کا نام لینا منہ چڑانا ہے، اب وہ ہم ہیں نہ ہمارا زمانہ ہے۔"

آخرش بطورِ شرع شریف ملکہ کا نکاح جانِ عالم کے ساتھ ہوا۔ اب یہ معمول کہ ایک شب انجمن آرا کی دوسری رات ملکہ کی ملاقات ٹھہری۔ اور ان دونوں میں وہ راہ و رسم، محبت و الفت کی بڑھی کہ شہزادے کی عاشقی نظر سے گر گئی، نظری ہوئی۔ یہ سچ ہے جو طرفین سے نجیب الطرفین ہوتے ہیں، ان میں رشک و حسد، رنج و ملال، دخل نہیں پاتا۔ کٹی جلی، ڈاہ، بغض و عداوت، کج بحثی، دانتا کل کل، روز کی تو تو میں میں، چھوٹی امت پر ختم ہے۔ لاکھ طرح انھیں سمجھاؤ، نشیب و فراز دکھاؤ، لیکن ان لوگوں سے بے جھونٹک جھانٹا نہیں رہا جاتا۔ دو دن ایک طرح صحبتِ بہار نہیں آتی ہے، زندگی انسان کی تلخ ہو جاتی ہے۔ لاکھ طرح کا غم ہوتا ہے، ناک میں دم ہوتا ہے۔

داستانِ حیرت بیانِ رخصتِ جانِ عالم،
پیر مرد کا عمل بتانا، چلتے وقت وزیر زادے کا مِل جانا، انجمن آرا
کے میلان سے شہزادے کو بندر بنانا، اس بے چارے کا ہزاروں
مصیبت اُٹھانا، پھر مع الخیر صحت پانا

قصہ کوتاہ، چندے شہزادۂ والاجاہ وہاں رہا۔ ایک روز یہ سب عاشق و معشوق باہم بیٹھے تھے، جانِ عالم نے کہا، "ہمیں وطن چھوڑے، عزیزوں سے منہ موڑے عرصہ ہوا، ہنوز دلّی دور ہے، اب چلنا ضرور ہے۔"

وہ دونوں نیک خُو، رضا جُو بولیں، "بہت خوب۔"

اسی روز حرفِ رخصت، ملکہ کے باپ کے درمیان آیا۔ مردِ انجام بیں نے روکنا مناسب نہ جانا۔ سفر کی تیاری ہوئی۔ وقتِ وداع پیر مرد نے بادلِ پر درد جانِ عالم سے کہا، "فقیر کے پاس کچھ نہ تھا جو پیش کرتا، مگر ایک نکتہ بتاتا ہوں، جب امتحان ہوگا، خزانۂ قارون سے زیادہ کام آئے گا، اگر احتیاط کروگے۔" پھر چند فقرے تنہا لے جاکے، بتاکے، تاکید سے کہا، "اگر یہ مقدمہ حقیقی بھائی سے اظہار کروگے، یاد رکھو! حضرتِ یوسف سے زیادہ صدمے سہوگے۔" پھر انجمن آرا پاس آ، فرمایا، "شہزادی، فقیر زادی، کنیز کو عزیز جان کر کمالِ نظرِ الطاف و کرم ہر دم رکھنا، یہ بھی خدمت گزاری میں قصور نہ کرے گی۔ اسے تم کو سونپا، تمھیں حافظِ حقیقی کے سپرد کیا۔ لو، خدا حافظ!"

اتّفاقاتِ زمانہ، اسی روز دہ وزیر زادہ، جو وطن سے ساتھ نکل ہرن کے پیچھے گھوڑا پھینک دشتِ ادبار میں شہزادے سے جُدا ہوا تھا، سرگشتہ و پریشان پھرتا پھراتا، پیادہ پا

اُدھر آنکلا۔ اس نے جو لشکرِ جرّار اور قافلہ تیار دیکھا، پوچھا "کس کی سواری ہے؟ کہاں کی تیاری ہے؟"

لوگوں نے، تمام جانِ عالم کا قصہ سُنایا۔ یہ خوش ہوا، جی میں جی آیا، پوچھا "شہزادہ کہاں ہے؟" وہ بولے "پیر مرد جو یہاں کا مالک ہے، فقیرِ سالک ہے، کچھ کہنے کو تنہا جُدا لے گیا ہے۔"

اس عرصہ میں جانِ عالم رخصت ہو، سوار ہوا۔ وزیر زادے نے دوڑ کر مجرا کیا، شہزادے نے گھوڑے سے کود کے گلے لگایا۔ دیر تک نہ چھوڑا۔ اسی دم لباسِ فاخرہ پہنا، ہمراہ سوار کیا۔ راہ میں سرگذشتِ تفرقہ پوچھتا کہتا چلا۔ جب خیمہ میں داخل ہوا، وزیر زادے کو محل سرا میں طلب کیا۔ انجمن آرا اور ملکہ کو نذر دلوا، کہا "یہ وہی شخص ہے جس کا الم مفارقت، مدام دل میں کانٹا سا کھٹکتا تھا، جی سینے میں بھٹکتا تھا۔ دیکھو! جب اچھے دن آتے ہیں، بے تلاش بچھڑے مل جاتے ہیں۔ جس دن گردوں نے ہمیں آوارۂ دشتِ ادبار کیا تھا، جدا ہر ایک دوست دار و غم خوار کیا تھا، اب مساعدتِ بخت سے ایّامِ سخت دور ہوئے، بہم مہجور ہوئے۔"

وزیر زادے کا حال سُنو! انجمن آرا کا حسن و جمالِ بے مثال دیکھ، دیوانہ ہو، ہوش و حواس، عقل کھو، نمک حرام بنا۔ وصل کی تدبیر میں پھنسا۔ وہ مکّار ہر کوچ و مقام میں وقت کا منتظر تھا۔ ایک روزِ غم اندوز شہزادے کا خیمہ، صحرائے باغ و بہار، دشت لالہ زار مگر ہمہ تن خار خار، پُرآزار میں ہوا۔ فضائے صحرا نے کیفیت دکھائی، پھولوں کی خوشبو دماغ میں سمائی، جابجا چشمے رواں دیکھ کر یہ لہر آئی کہ تنہا وزیر زادے کا ہاتھ پکڑ، لبِ چشمہ جا بیٹھا۔ کشتی شراب کی طلب ہوئی، جس کے پینے سے جانِ عالم کی آنکھوں میں سرور آیا، اختلاط کا زبان پر مذکور آیا، اس دغا شعار، غدار نے وقتِ تنہائی، صحبتِ بادہ پیمائی، نشے کی حالت غنیمت جانی، رونے لگا۔

شہزادے نے ہنس کر کہا "خیر ہے؟"

وہ بولا "جو جو شرطِ رفاقت، حقِّ خدمت دنیا میں ہوتا ہے، غلام سب بجا لایا، مگر محنت و مشقتِ غریب الوطنی، دشت نوردی کا عوض خوب بھر پایا۔ جب آپ سا قدر داں بات کو چھپائے، تو پھر اور کس سے کسی بات کی امید رہے؟"

جانِ عالم نشے میں انجام کار نہ سوچا۔ اس فیلسوف کے رونے سے بے چین ہوگیا، کہا: "مجھے ملکہ کے باپ نے یہ بات بتائی ہے کہ جس کے قالب میں چاہوں اپنی روح لے جاؤں۔"
اس نے پوچھا، "کس طرح؟"
شہزادے نے ترکیب بتادی۔ جب وہ سب سیکھ چکا، بولا، "غلام کو بے امتحان غلطی کا گمان ہے۔"
شہزادہ اٹھ کر جنگل کی طرف چلا۔ چند قدم بڑھ کر بندر مردہ دیکھا، کہا، "دیکھوں اس کے قالب میں جاتا ہوں۔" یہ کہہ کر شہزادہ زمین پر لیٹا، بندر اٹھ کھڑا ہوا۔ وزیرزادے کو سب ڈھنگ یاد ہوگیا تھا، فوراً وہ کورنمک زمین پر گرا، اور اپنی روح جانِ عالم کے قالب خالی میں لا، کھڑا ہوا اور کمر سے تلوار نکال اپنا جسم ٹکڑے ٹکڑے کرکے دریا میں پھینک دیا۔ شہزادے کا نشہ کرکرا ہوا۔ سمجھا بڑی خطا ہوئی۔ وہ کافر بندر کے پیچھے دوڑا۔ شہزادہ بے چارہ بھاگ کر درختوں کے بتوں میں چھپا۔ پھر توبہ دل جمعی تمام وہ نطفۂ حرام لہو کپڑوں پر چھڑک کے دھڑک ملکہ کے خیمہ میں آیا، رویا پیٹا، چلایا، کہا، "اس وقت ظلم کا حادثہ ہوا۔ میں وزیرزادے کے ساتھ سیر کرتا تھا، یکایک جنگل سے شیر نکلا، اسے اٹھا لے چلا۔ ہر چند میں نے جاں بازی سے شیر کو تہِ شمشیر کیا، زخمی ہوا مگر اسے نہ چھوڑا، لے ہی گیا۔"
ملکہ نے تاسف کیا، سمجھایا، "قضا سے کیا چارہ، یہی حیلۂ مرگ اس کے مقدر میں تھا۔"
پھر انجمن آرا کے پاس گیا، وہاں بھی یہی اظہار کیا، الّا گھبرایا ہوا باہر چلا گیا۔ ملکہ انجمن آرا کے خیمے میں آئی، وزیرزادے کا مذکور آپس میں رہا، لیکن ملکہ کو قیافہ شناسی کا بڑا ملکہ تھا، پریشان ہوکر یہ کلمہ کہا، "خدا خیر کرے، آج بہت شگونِ بد ہوئے تھے۔ صبح سے داہنی آنکھ پھڑکتی تھی، راہ میں ہرنی اکیلی رستہ کاٹ، میرا منہ تکتی تھی، اپنے سائے سے بھڑکتی تھی۔ خیمے میں اترتے وقت کسی نے چھینکا تھا، خواب متوحش نماز کے وقت دیکھا تھا۔ تم بھی فضلِ الٰہی سے عقل و شعور رکھتی ہو، آج کی حرکتیں شہزادے کی غور کرو! خلافِ عادت ہیں یا مجھی کو وہم بے جا ہے؟"
انجمن آرا نے کہا، "تم جانتی ہو وزیرزادے سے محبت کیسی تھی، رنج والم بُرا ہوتا ہے

بدحواسی ہیں کیا ہوتا ہے۔"

القصہ وہ شب ملکہ کے پاس رہنے کی تھی۔ اسے اندر کا حال کیا معلوم تھا، طبیعت کے لگاؤ سے انجمن آرا کے خیمے میں آ گیا۔ جس وقت پہر بجا، ملکہ انتظار کر کے وہاں گئی، دیکھا، شہزادہ مضطرب بیٹھا ہے۔ مگر اس نے پوچھا، "آج کہاں آرام کرو گے؟"

وہ جھجک کر بولا، "جہاں تم کہو۔"

ملکہ نے کہا، "یہیں سو رہو۔"

شہزادے نے کہا، "خوب۔" یہ کلمہ بھی خلافِ دستور ظہور میں آیا۔ اس کا خوب کہنا ملکہ نے بُرا مانا۔ انجمن آرا کا ہاتھ پکڑ کر اپنے خیمے میں لائی، روئی پیٹی، چلائی۔

انجمن آرا بولی، "ملکہ! خدا کے واسطے کچھ مفصل بتاؤ۔" وہ بولی "غضب ہوا، قسمت الٹ گئی، شہزادے سے پھٹ گئی، خدا کی قسم یہ جانِ عالم نہیں۔" وہ بھی شہزادی تھی، گو سیدھی سادی تھی، کہا، "درست کہتی ہو، بہت سی باتیں اس نے آج نئی کی ہیں۔"

ملکہ نے کہا، "خیر! اب جو ہو، سو ہو، تم یہیں سو رہو۔" پھر حبشنوں اور ترکنوں سے فرمایا، "ہم سوتے ہیں، تم درِ خیمہ پر مسلح جاگو۔ اس وقت اگر شہزادہ کیا، فرشتہ آئے، بار نہ پائے۔"

یہ خبر سن کر وہ نامرد ڈرا، اکیلے اور خیمے میں جا پڑا۔

ملکہ نے کہا، "دیکھا! اگر جانِ عالم ہوتا، کبھی اکیلا نہ سوتا، بے تامل چلا آتا۔ بدمزگی کا باعث، خفگی کا سبب پوچھتا، اسے کس کا ڈر تھا؟"

انجمن آرا کہنے لگی، "صورت تو وہی ہے۔" اس وقت ملکہ نے ماجرا غیر کے قالب میں روح لے جانے کا، دمِ رخصت اپنے باپ کے بتانے کا مفصل بتایا، پھر کہا، "یہ حال وزیر زادے سے کہا ہو گا، یہ فساد اس کا ہے۔ ہمیں روزِ اوّل اس کی چتون پر شک آیا تھا، سامنے لانے کو منع کیا تھا، سمجھایا تھا۔ وہ نادان ہمارا کہنا خاطر میں نہ لایا، اس کا مزہ پایا۔" القصہ وہ شب کہ شبِ اوّلین گور تھی، رونے پیٹنے میں کٹی۔

وہاں کا حال سنیئے! شہزادہ جو بندر بنا تھا، اس نے جس دن سے بندر پکڑتے لوگوں کو دیکھا تھا اور ہم تڑوانے کا حال سنتا تھا، بدحواس، پریشان، سراسیمہ، زلیست سے یاس،

حیران، ہر طرف چھپتا پھرتا تھا کہ مبادا کوئی پکڑ لے جائے، زندگی میں خلل آئے۔ اس روز کئی دن کا بے دانہ و آب، خستہ و خراب، ضعف و نقاہت سے ایک درخت کی کول میں غش ہو کر پڑا تھا۔ ایک چڑی مار نے دیکھا، دبے پانو آ کر گردن پکڑ لی، اس نے آنکھ کھولی، گلا دستِ قضا میں پایا، جینے سے ہاتھ اٹھایا۔ یقین ہوا زیست اتنی تھی، آج پیمانۂ بقا بادۂ اجل سے لبریز ہو کر چھلکا۔ پکارا، اے گردونِ دوں! چڑی مار نے کمر سے رسی کھول، مضبوط باندھا، پھر شہر کا رستہ لیا۔ تھوڑی دور چل، بندر نے کفِ افسوس مل کہا "اے شخص! کیوں" خونِ بے گناہِ راندۂ درگاہ اپنی گردن پر لیتا ہے، مصیبت زدہ کو اور دکھ دیتا ہے"۔ وہ بولا، "کیا خوب! تو تو باتوں سے مجھے ڈراتا ہے۔ اگر دیو، بھوت، جن، آسیب جو بلا ہے، بلا سے، مگر تیرا چھوڑنا ناروا ہے۔ آج قسمت آزمائی، نعمتِ غیر مترقبہ ہاتھ آئی۔ تجھے بادشاہ کو دوں گا، سو روپے لوں گا، چین کروں گا۔"

یہ سنتے ہی سُن ہو گیا۔ رہی سہی جان قالب سے نکل گئی۔ ہر چند منت و سماجت سے کہا، لالچ کا کام بُرا ہوتا ہے، کچھ کام نہ آیا۔ چڑی مار نے جلد جلد قدم بڑھایا، قریبِ شام شاد کام گھر آیا۔ جورو سے کہا، "اچھی ساعت گھر سے گیا تھا، طائرِ مطلب بے دام و دانہ خواہش کے جال میں پھنسا"۔ یہ کہہ کر خوب ہنسا۔

اب دو کلمے یہ سنیے! جس دن شہزادہ گرفتارِ بلائے تازہ ہو، یعنی چڑی مار کے دامِ حرص میں گرفتار ہوا، ملکۂ دل گرفتہ خود بہ خود گھبرائی۔ انجمن آرا نے کہا، "تم نے سُنا؟ یہ کم بخت بندر پکڑوا کے سر کھلواتا ہے۔ یقین جانو! جانِ عالم اسی ہیئت میں ہے، اور آج خدا خیر کرے، صبح سے بے طرح دلِ ناکام کو اضطراب ہے، جانِ زار کو پیچ و تاب ہے۔ گھبراتا ہے، غم کلیجا کھاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے شہزادہ پکڑا گیا یا کوئی اور آفتِ تازہ، ستمِ نو، بے اندازہ، چرخِ کہن دکھائے گا، ہنسی کے بدلے رُلائے گا۔"

یہاں تو یہ باتیں تھیں، اُدھر چڑی مار کی جورو چراغ لے کر بندر کو دیکھنے لگی۔ بندر سوچا، وہ کم بخت مرد، بر سرِ رحم نہ ہوا، کیا عجب یہ رنڈی ہے، اگر نرم زبانی سے مذکورِ آفتِ آسمانی سنے اور مہربانی کرے۔ اس خیال سے پہلے سلام کیا، وہ ڈری تو یہ کلام کیا، اے

نیک بخت! خوف نہ کر، دو باتیں میری گوشِ دل سے سُن لے۔" گنواریاں جی کی کڑوی بھی ہوتی ہیں، بندر کا بولنا اچنبھا سمجھ کر کہا، "کہہ!"

وہ بولا، "ہم غریب الوطن، گرفتارِ رنج و مبتلائے محن گھر سے دُور، قید میں مجبور رہیں۔ ماں باپ نے کس کس ناز و نعم سے پالا، فلک نے کون کون سی مصیبت دکھانے کو گھر سے نکالا، یہاں تک کہ دربدر حیران پریشان کر کے بُرے دن دکھائے کہ تیرے پاس گرفتار ہو کر آئے۔ اب صبح کو جب ہم گردن مارے جائیں گے، تب سو روپیے تمہارے ہاتھ آئیں گے۔ خونِ بے گناہ کی سزا حشر کو پاؤ گی، بیکنٹھ چھوڑ، نرک میں جاؤ گی۔ پیسا روپیا ہاتھ کا میل ہے، اس پر جو میل کرتی ہو کتنے دن کھاؤ گی، دھبا اس کا جیتے جی نہ چھوٹے گا، دھوتے دھوتے مر جاؤ گی۔ اگر ہمارے حال پر رحم کرو، خدا اور کوئی صورت کرے گا، سو روپیے کے بدلے تمہارا گھر اشرفیوں سے بھرے گا۔ ہمارے قتل میں گناہِ بے لذت یا ایک موذی کی حسرت نکلنے کے سوا اور کیا فائدہ ہے؟ اگرچہ ایسا جینا، مرنے سے بُرا ہے، لیکن خدا جانے ارادۂ ازلی، مشیّتِ ایزدی کیا ہے، ہماری تقدیر میں کیا لکھا ہے، جو خدا کے نام پر نثار ہے، اللہ اس کا ہر حال میں ممد و مددگار ہے۔"

رنڈی ان باتوں سے بر سرِ رحم ہوئی، بندر کی تسکین کی، کہا، "تو خاطر جمع رکھ! جب تک میں جیتی ہوں، تجھے بادشاہ کو نہ دوں گی، فاقہ قبول کروں گی۔" پھر اسے روٹی کھلا، پانی پلا، کھنڈری میں لیٹا سو رہی۔ صبح کو چڑی مار اٹھا، بندر کے لے جانے کا قصد کیا، عورت نے کہا، "آج اور قسمت آزما! پھر جانور پکڑنے جا!! جو روٹی میسر آئے، تو کیوں اس کی جان جائے، ہم پر ہتیا لگے، بدنامی آئے، نہیں تو کل لے جانا۔"

وہ بولا، "تو اس کے دم میں آگئی۔"

بندر نے کہا، "ماشاء اللہ! رنڈی تو خدا پرستا کرے ہے، تو مرد ہو کر مضطر ہوتا ہے، یا جی تو زن مرید ہوتے ہیں۔" پھر وہ پٹک جھٹک، جال پھٹکی اٹھا، لاسا کمپا لے، ٹٹی کندھے سے لگا، گھر سے نکلا۔ یا تو دن بھر خراب ہو کر دو تین جانور لاتا تھا، اس روز

دوپہر میں پچاس ساٹھ ہاتھ آئے، پھٹکی بھر گئی، خوش خوش گھر پھرا، کئی روپے کو جانور بیچے۔

اب روز چڑی مار کی ترقی ہونے لگی، تھوڑے دنوں میں گھر بار کپڑا لتا، گہنا پاتا درست ہو گیا۔ قضارا، کوئی بڑا تاجر سرا میں اس بھٹیاری کے گھر میں اترا، جس کی دیوار تلے چڑی مار رہتا تھا۔ ایک روز بعد نمازِ عشاء سوداگر وظیفہ پڑھتا تھا، ناگاہ آوازِ خوب، صدائے مرغوب جیسے لڑکا پیاری پیاری باتیں کرتا ہے، اس کے کان میں آئی۔ بھٹیاری سے پوچھا، "یہاں کون رہتا ہے؟"

وہ بولی، "چڑی مار"۔

سوداگر نے کہا، "اس کا لڑکا خوب باتیں کرتا ہے"

بھٹیاری بولی، "لڑکا بالا تو کوئی بھی نہیں، فقط جورو خصم رہتے ہیں"۔

سوداگر نے کہا، "آ سُن یہ کس کی آواز آتی ہے؟" بھٹیاری جو آئی لڑکے کی آواز پائی۔ وہ بولا، "اس صدا سے بوئے درد پیدا ہے، اس کو میرے پاس لا، باتیں کروں گا، کچھ لڑکے کو دوں گا اور تیرا بھی منہ میٹھا کروں گا"۔

بھٹیاری چڑی مار کے گھر گئی، دیکھا، بندر باتیں کرتا ہے، اسے دیکھ کے چُپ ہو رہا۔ وہ دونوں بھٹیاری کے پانو پر گر پڑے، منت کرنے لگے، کہا، ہم نے اسے بچوں کی طرح پالا ہے، اپنا دُکھ ٹالا ہے، شہر پُر آشوب ہو رہا ہے، بندر کُش بادشاہ اترا ہے، ایسا نہ ہو کہ یہ خبر اڑتے اڑتے اسے پہنچے، بندر چھین جائے، "ہم پر خرابی آئے"۔

وہ بولی، "مجھے کیا کام جو ایسا کلام کروں"۔ سرا میں آ کے سوداگر سے کہا، "وہاں کوئی نہ تھا"۔

اس نے کہا، "دیوانی! ابھی وہ آواز کس کی تھی؟" بہ غور سُنیے کہ کیا معقول جواب، وہ نامعقول دیتی ہے۔

بولی، "بلیّا لوں، بھلا مجھے کیا غرض جو کہوں بندر بولتا ہے"۔

سوداگر خوب ہنسا، پھر کہا "تو سڑن ہے، اری! بندر کہیں بولتا ہے؟"
پھر بولی، "جی غریب پرور! صدقے گئی، اسی سے تو میں بھی نہیں کہتی، بندر بولتا ہے۔"

سوداگر کو سخت خلجان بہ مرتبہ خفقان ہوا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ مکان قریب تھا، خود چلا گیا۔ دیکھا تو فی الحقیقت ایک عورت، دوسرا مرد مچھندر، تیسرا بندر ہے۔ یقین کامل ہوا، یہی بندر بولتا تھا۔ بھٹیاری سچی ہے۔ وہ سوداگر کو دیکھ کر بندر کو چھپانے لگی، اس نے کہا بھید کھل گیا، اب پوشیدہ کرنا لاحاصل ہے۔ مصلحت یہی ہے، بندر ہمیں دو، اس کے بدلے جو کچھ احتیاج ہو، ہم سے لو، نہیں تو بادشاہ سے اطلاع کر دوں گا، یہ بے چارہ مارا جائے گا، تمھارا کیا جائے گا؟"

وہ دونوں رونے پیٹنے لگے۔ بندر سمجھا اب جان نہیں بچتی، اتنی ہی زیست تھی، چڑی مار سے کہا، "اے شخص! فلکِ کج رفتار، گردونِ دوّار نے اتنی جفا پر صبر نہ کیا، یہاں بھی چین نہ دیا۔ مناسب یہی ہے، رضائے الٰہی پر راضی ہو، مجھے حوالے کر دو۔ قضا آئی ٹلتی نہیں، تقدیر کے آگے کسی کی تدبیر چلتی نہیں۔ فردِ بشر کو حکمِ قضا و قدر سے چارہ نہیں، اس کے ٹال دینے کا یارا نہیں۔"

چڑی مار نے کہا "دیکھو! بندر کی ذات، کیا بے وفا ہوتی ہے۔ ہماری محنت مشقت پر نظر نہ کی، توتے کی طرح آنکھ پھیر لی، سوداگر کے ساتھ جانے کو راضی ہو گیا، بڑا آدمی جو دیکھا، ہمارے پاس رہنے کا مطلق پاس نہ کیا۔"

بندر نے کہا، "اگر نہ جاؤں، اپنی جان کھوؤں، تم پر خرابی لاؤں۔" آخر کار بہ ہزار گریہ و زاری، سوداگر سے دونوں نے قسم لی کہ بادشاہ کو نہ دینا، اچھی طرح پرورش کرنا۔ یہ کہہ کر بندر حوالے کیا، سوداگر نے اس کے عوض بہت کچھ دیا۔ بندر کو سرا میں لا، پیار کیا، بہ دل داری اور نرمی حال پوچھا۔

بندر نے کہا، "اے عزیز! آتش کا رواں، نقشِ پائے یارانِ رفتگان ظاہر ہوں، مگر پنہاں ہوں۔ بلبلِ دُورانہ گلزار، گم کردہ آشیاں، صیاد درپئے آزار گھات

میں باغباں، کیوں کر نہ سرگرمِ فغاں ہوں؟ حضرتِ عشق کی عنایت ہے، زمانے کی شکایت ہے۔ حاجت روائے عالم محتاج ہے، تخت ہے نہ افسر ہے، نہ وہ سر ہے نہ تاج ہے۔ کبھی مجھے جن کا الم تھا، اب انھیں میرا غم ہوا۔ مرنے سے ہم اس لئے جی چھپاتے ہیں کہ ہمدم میرے فراق میں موئے جاتے ہیں۔ مجھے دامِ مکر میں الجھایا، دوستوں کو میرے دشمن کے پھندے میں پھنسایا، گردشِ چرخ سے عجیب سانحہ پیش آیا، کو کم مشکل، دگر نہ گویم، مشکل۔ مگر آج خوش قسمتی سے آپ سا قدرداں ہاتھ آیا ہے، انتشارِ طبیعت برطرف ہو، تو بہ دل جمعی تمام، آغاز سے تا انجام اپنی داستانِ غم بسانحۂ ستم گزارش کروں گا۔"

سوداگر کے اس مضمونِ دردناک سے آنسو نکل پڑے۔ سمجھا یہ بندر نہیں، کوئی فصیح و بلیغ، عالی خاندان، والا دودمان، سحر میں پھنس گیا ہے، کہا "اطمینانِ خاطر رکھ، تیری جان کے ساتھ میری جان ہے۔ اب زیست کا یہی سامان ہے۔"

بندر کو تسکین حاصل ہوئی، مگر امرِ شدنی بہرکیف ہوا چاہے، راز فاش ہو اگر خدا چاہے۔ آخر شش اس کی گویائی کا چرچا کوچہ و بازار میں ہوا اور یہ خبر اس کورنمک، محسن کش کے گوش زد ہوئی۔ سنتے ہی سمجھا، یہ وہی ہے۔ فوراً چوبدار بندر کے لینے کو سوداگر کے پاس بھیجا، یہ بہت گھبرایا، اور تو کچھ بن نہ آیا، بہ صد عجز و نیاز عرضداشت کی، "غلام صاحب اولاد نہیں، اس اندوہ میں دلِ مضطر شاد نہیں، طبیعت بہلانے کو اسے بچہ سا لے کر فرزندوں کی طرح پالا ہے، رات دن دیکھا بھالا ہے، بندر ہے مگر عنقا ہے، مفارقت اس کی خانہ زاد کی جان لے گی، آئندہ جو حضور کی مرضی۔"

یہ چوبدار یہاں سے خالی پھرا، وہ ظالم، اظلم غضب سے بھرا۔ وہاں کے بادشاہ کو لکھا، "اگر سلطنت اور آبادیِ مملکت اپنی منظور ہو، سوداگر سے جلد بندر لے کر یہاں بھیج دو، نہیں تو اینٹ سے اینٹ بجادوں گا، نام و نشان مٹادوں گا۔"

یہ خبرِ وحشت اثر سن کے غضنفر شاہ متردد ہوا۔ مشیرانِ خوش تدبیر، امیر و زیر سمجھانے لگے کہ خداوندِ نعمت! ایک جانور کی خاطر کشت و خون زبوں ہے۔

حکم ہوا کہ کچھ لوگ سرکاری وہاں جائیں، جسطرح بنے، سوداگر سے پکڑ کر بندر اس

کی ڈیوڑھی پر پہنچا ہیں۔ جب بادشاہی دستہ سرا میں آیا، بندر دست بستہ زبان پر لایا، "اے مونس، غم گسار، وفا شعار! اس اجل رسیدہ کے بات میں کدو کاوش بے کار ہے سراسر بے جا ہے، قضا کا زمانہ قریب پہنچا، دل ناکامی وا ہے۔ مبادا کسی طرح رنج میری دوستی میں تمہارے دشمنوں کو پہنچے تو مجھے حشر تک حجاب و ندامت رہے، خلقِ خدا برا بھلا کہے۔"

سوداگر نے کہا، "استغفر اللہ! یہ کیا بات ہے، جو کہا، وہ سر کے ساتھ ہے۔"

اس عرصے میں یہ حالِ تباہ و ماجرائے جاں کاہ، گلی کوچے میں زبان زد خاص و عام ہوا کہ ایک بندر کسی سوداگر پاس، باتیں کرتا تھا، وہ بھی کل مارا جائے گا۔ بہ حدّے کہ اس کشتۂ انتظار، مایوس دل فگار یعنی ملکۂ مہر نگار کو بھی معلوم ہوا۔ وہ شیدائے جانِ عالم سمجھی کہ یہ بندر نہیں، شہزادہ ہے۔ افسوس، صد افسوس! اب کون سی تدبیر کیجیے جو اس بے کس کی جان بچے۔ دل کو مسوس، وزیر زادے کو کوس، لوگوں سے پوچھا، "دمِ سحر کدھر سے وہ سوداگر جائے گا، یہ تماشا ہمارے دیکھنے میں کیوں کر آئے گا؟"

لوگوں نے عرض کی، "حضور کے جھروکے تلے شاہ راہ ہے، یہی ہر سمت کی گذر گاہ ہے۔"

یہ سن کر تمام شب تڑپا کی، نیند نہ آئی، دو گھڑی رات سے برآمدے میں بر آمد ہوئی اور ایک توتا پنجرے میں پاس رکھ لیا۔ گجر سے پیش تر بازار میں ہلڑ، تماشائیوں کا میلا سا ہو گیا۔

سوداگر نمازِ صبح پڑھ، ہاتھی پر سوار ہو، کمر میں پیش قبض رکھ، گود میں بندر کو بٹھا، مرنے پر کمر مضبوط باندھ کر، مجبور چلا۔ بندر نے کہا، "پریشان نہ ہو! جب تقریر سے اور اصرافِ کثیر سے کام نہ چلے گا، جو بن پڑے گا، وہ کروں گا، اپنے جیتے جی تجھے مرنے نہ دوں گا۔" سوداگر کا سرا سے، سراسیمہ آگے بڑھتا تھا کہ خلقت نے چار طرف سے گھیر لیا۔ بندر لوگوں سے مخاطب ہو کر یہ کہنے لگا، "صاحبو! دنیائے دوں، نیرنگیِ زمانۂ سفلہ پرور، بوقلموں عبرت و دید کی جا ہے۔ معاملاتِ قضا و قدر سے ہر ایک ناچار ہے، یہی مسئلہ جبر و اختیار ہے، کوئی کسی کی عداوت میں ہے کوئی کسی کا شیدا ہے، جسے دیکھا، آزاد نہ پایا، کسی نہ کسی بکھیڑے میں مبتلا ہے۔ اس کی قدرتِ ناطقہ دیکھو! مجھ سے بے زبان ناچیز

کو بے تکلفِ گویائی عنایت کیا، تم سب کا سامعوں میں چہرہ لکھ دیا۔ باتیں سننے کو چلے آتے ہو، جدائی میری شاق ہے، جو ہے مشتاق ہے، حالِ زار پر رحم کھا، آنسو بہاتے ہو۔ یہ رحیمی کی صفت ہے۔ شان تمہاری دیکھو! اسی تقریر کی دھوم ہے، ایک ظالم شوم سے مجھ مظلوم کا مقابلہ ہوتا ہے۔ یقینِ کامل ہے، وہ قتل کرے گا، بے گناہ کے خون سے ہاتھ بھرے گا، تب اسے آرام و چین ہوگا۔ انجامِ شاہ و گدا دو گز کفن اور تختۂ تابوت سے سوا نہیں۔ کسی نے بعد سنگِ مرمر کا مقبرہ بنایا، کسی نے مرمر کے گور گڑھا پایا، کسی کا مزار مطلا منقش، رنگا رنگ ہے، کسی کی مانندِ سینۂ جاہل گور تنگ ہے۔ حسرتِ دنیا سے کفن چاک ہوا، بستر دونوں کا فرشِ خاک ہوا۔ نہ امیر سمور و قاقم کا فرش بچھا سکا، نہ فقیر بیتی شطرنجی اور ٹوٹا سا بوریا لا سکا۔ نیک کمائی والے گور گڑھا کفن پاتے ہیں، نہیں تو سینکڑوں ہاتھ رکھ کر مر جاتے ہیں، کتے، بلی، چیل، کوے بوٹیاں نوچ نوچ کر کھاتے ہیں۔ یاس و حسرت کے سوا کوئی نہ سرہانے روتا ہے، تمنا چھٹ، کوئی نہ پائنتی ہوتا ہے۔ روپے کا جمع ہونا، جواہر کی تلاش میں دن کا جاگنا، چاندی سونے کی امید میں رات کا نہ سونا، سیمیں تن لعل لبوں سے بہم ہونا جنھیں میسر ہر بار ہے، انھیں مفارقتِ دنیا ناگوار ہے۔ سلف سے اہلِ کمال دنیا کے مال سے محروم رہے، جو سزاوارِ حکومت تھے وہ محکوم رہے۔ لیکن کبھی صبحِ عشرت ہے، گاہ الم کی شام ہے، دنیا عجب مقام ہے، نہ امیر ہوتے کچھ عرصہ، نہ فقیر ہوتے کچھ دیر ہے، اس کارگاہِ بے ثبات میں عجب اندھیر ہے۔ مگر ولئے غفلت! ہائے نادانی کہ جب نشۂ جوانی کا موسم پیری میں خمار اترتا ہے، اس وقت آدمی سر پہ ہاتھ دھر کر روتا ہے۔ ناچار کفِ افسوس مل کر پچھتاتا ہے، گزشتہ را صلوٰت کہہ کر دل کو سمجھاتا ہے۔"

آدمیوں کو بندر کی تقریرِ دل خراش، پُر اثر سے عبرت و حیرت حاصل تھی۔ کبھی یہ نصیحت و پند گاہ کلام رنگین و دلچسپ با دلِ دردمند، کبھی سخنانِ وحشت افزا سناتا چلا جاتا تھا۔ اہلِ دل طبیعت کے گداز سے روتے، ساتھ آتے تھے، ہر فقرہ پر درد پر ضبط نہ ہو سکتا تھا۔ چلاتے تھے، خلقِ خدا جنازے کی طرح ہاتھی کے ہم راہ تھی، ایک عالم کے لب پر نالے تھے، فغان و آہ تھی۔ اسی سامان سے ملکہ کے جھروکے تلے پہنچے۔ وہ منتظر تمام شب، نالہ بہ لب سوداگر سے بولی،

"ایک دم ٹھہر جا! میں اس کی تقریر کی مشتاق ہوں۔"

سوداگر نے ہاتھی روکا، ملکہ نے کہا، "اے مقرّرِ بے زباں گم کردۂ خانماں! اگرچہ اب ہم کس لائق ہیں، مگر تیری داستانِ ظلم و جور کے شائق ہیں۔"

بندر نے آواز پہچانی۔ پہلے تو خوب رویا، پھر جی ٹھہرا کر کہنے لگا، "افسوس! یار نے عیّاری کی، دغا سے یہ نوبت ہماری کی، جس کا رونا ہمیں ناگوار تھا، وہ ہمارے لہو کا پیاسا قتل کا روادار تھا۔ یہ مثل سچ ہے، تیرھویں صدی ہے، نیکی کا بدلہ بدی ہے۔ محبوبوں کی تمنا دل میں رہی، وطن جانے کی حسرت آب و گل میں رہی۔ دوستوں کا کہا نہ مانا، وہ آگے آیا، پچھتانا پڑا۔ بے اجل، جلّاد کے فریب سے ذبح ہوئے، طالب و مطلوب جان جوکھوں میں پھنسے، زندہ درگور ہوئے۔ الحق دنیا دم مارنے کی جا نہیں، راز کسی سے کہنا اچھا نہیں۔"

ان باتوں سے رہے سہے شک ملکہ کے برطرف ہوئے۔ سمجھی جانِ عالم یہی ہے۔ جواب دیا، "جو جانتے تھے، ان سے کیا ہو سکا؟ انجان کو تکلیف دینے سے کیا فائدہ؟" اور توتے کی گردن مروڑ، پنجرا باہر نکالا۔ بندر کی نگاہ جو پنجرے پر پڑی، سمجھا ملکہ پہچان گئی، یہی فرصت کا وقت ہے۔ ہنگامہ و تلاطم تو مچا تھا، کسی نے دیکھا نہ بھالا، بندر سوداگر کی گود میں لیٹ کر توتے کے قالب میں پرواز کر آیا۔ توتا پھڑکا، ملکہ کا خوشی سے دل دھڑکا۔ پنجرا اندر کھینچ لیا۔

سوداگر نے دیکھا، بندر مر گیا۔ چاہا، ہلاک ہو جائے، بدنامی کا قصّہ پاک ہو جائے۔ جو شخص خواصی میں بیٹھا تھا، سمجھانے لگا، "بندہ پرور! شکر کرنے کی جا ہے، شکایت کا موقع کیا ہے۔ حرمت رہی جان بچی، مرگِ فرزند سے ماں باپ کو چارہ نہیں۔ اگر بادشاہ جبر سے چھین کر مار ڈالتا، جان کھونے کی جگہ تھی۔ صبر کیجیے! جو خدا کی مرضی، اس کی رضا میں مجبوری ہے، جائے صبوری ہے۔"

وہاں ملکہ مہر نگار پنجرہ لے بیٹھی، لوگوں کو پاس سے سرکا دیا۔ میاں مٹھو نے ہو بہو، ابتدا سے انتہا تک مفصل سب حال سنا دیا۔

یہاں یہ گفتگو تھی کہ اس نطفۂ شیطان کی آمد ہوئی۔ ملکہ باہر نکل آئی، تعظیم کی۔ ہمیشہ یہ معمول تھا، جب وہ آتا، ملکہ بات نہ کرتی خفیف ہو کر اٹھ جاتا۔ اس روز جو گفتگو ہوئی، وہ مردک سمجھا، بندر کا مرنا بہ چشم ملکہ نے دیکھا، اس سے دب گئی، ہم کلام ہوئی۔ اب جلدی نہ کرو، امروز و فردا مقدمہ درست ہو جائے گا؛ لیکن پہلے اس سے فیصلہ شرط ہے۔ ملکہ کے باپ کا بہت ڈر تھا، اس باعث ملکہ سے ہراس کرتا تھا، نہایت پاس کرتا تھا۔ جب رخصت ہونے لگا، ملکہ نے کہا، "ایک بکری کا بچہ، خوب صورت سا، ہمیں بھیج دو، پالیں گے، رنج کو ٹالیں گے۔"

یا تو چپ رہتی تھی، یا آج بچہ مانگا۔ یہ بچہ بہت خوش ہوئے۔ اسی وقت ایک بربری کا بچہ تحفہ بھجوایا۔ دوسرے روز جو آیا، ملکہ کو زیادہ خوب پایا۔ اس کے رد بہ رو بچے سے کھیلا کی دو تین روز یہی صحبت رہی۔ ایک روز ملکہ نے بچے کو دبا کر ادھ موا کر دیا اور چوبدار دوڑایا، "شہزادے کو جلد بلا لا! عرض کرنا، اگر دیر لگاؤ گے جیتا نہ پاؤ گے۔"

یہ خبر سن کر وہ محل سرا کا عازم ہوا۔ ملکہ نے بچہ اس ہمائے اوجِ سلطنت کا، پلنگ کے پاس رکھ لیا۔ جب وہ نابکار رد بہ رو آیا، ملکہ نے بچے کو گود میں اٹھا اس زور سے دبایا کہ وہ مر گیا۔ اس کا مرنا، اس کا نالہ و فریاد کرنا، گریباں چاک کرنے کی بکھیڑا پاک کرنے کی تدبیر کی۔ وہ بے قرار ہو کر بہ منت بولا، "ملکہ! ہزار بچہ، اس سے اچھا ابھی موجود ہوتا ہے، تم کیوں روتی ہو؟"

ملکہ نے اسی حالت میں کہا، "میں کچھ نہیں جانتی، تم اسے ابھی جلا دو، جو میری خوشی چاہتے ہو۔"

وہ بولا، "بھلا مردہ کہیں جیا ہے، کبھی کسی نے سوائے مسیح ایسا کیا ہے؟"

ملکہ نے رو کر کہا، "تم نے میری مینا جو جلائی تھی، جب میں بلبلا رہی تھی۔" یہ دل میں سمجھا کہ شاید شہزادے نے یہ حرکت کی ہو گی۔ وہ بدحواس پوچھنے لگا، "ہم نے مینا کیوں کر جلائی تھی؟" ملکہ بولی، "تم پلنگ پر لیٹ رہے تھے، وہ جی اٹھی تھی۔"

یہ پتہ بھی درست پایا، اور قضا کا زمانہ قریب آیا، کہا، "بچہ گود سے رکھ دو!" ملکہ نے پھینک دیا۔ وہ پلنگ پر لٹا، اپنی روح بکری کے بچے کے قالب میں لایا، وہ

کودنے لگا۔ ملکہ مہر نگار نے گود میں لیا، پیار کیا۔ وہ سوچا دو گھڑی ملکہ کی طبیعت بہل جائے، پھر روح قالب میں لے جاؤں گا۔

شہزادہ جانِ عالم یہ سب معاملہ پنجرے سے دیکھ، سُن رہا تھا۔ فوراً اپنی روح اپنے جسم میں لا، اٹھ کھڑا ہوا۔ یہاں وہ بُزدِلا، جانِ عالم کو دیکھ کر تھرا گیا، خوف چھا گیا۔ سمجھا، قسمت اب بری ہے، کوئی دم کو گلا اور چھری ہے۔ ملکہ نے جلد دو انجر وہ پڑھ کر پھونک دیے کہ وہ اور کے قالب میں رُوح لے جانا بھول گیا۔ پھر انجمن آرا کو بلایا، کہا، "لو صاحب! مبارک ہو!! اللہ تعالیٰ نے تمھاری ہماری حرمت و آبرو کو بچایا، بچھڑے سے ملایا۔ یہ آپ کا احمق الذی شہزادہ ہے، وہ بکری کا بچہ، بے دین وزیر زادہ ہے۔" یہ کہہ کر تینوں عاشق و معشوق گلے مِل مِل، خوب روئے، اخیر، جلسے خوب دھوم دھڑکے کے ہوئے۔ اپنے محل تک وہ ساتھ ساتھ آیا۔ تمام لشکر نے پکا پکایا پایا، پھر رخصت ہوئے۔

وردِ لشکرِ نصرت اثر، دشتِ پُرخوف و خطر میں، لبِ حوضِ خیامِ شاہی ہونا، ساحرہ کا آنا، تمام لشکر کو نصف پتھر بنانا، پھر ملکہ کے باپ کا آنا اور جادوگرنیوں کی لڑائی، شہپال کا قتل، فوج کی رہائی۔

محرّرانِ جادو نگار و سحر ساز، راقمانِ فسانۂ ہوش رُبا، حیرت پرداز نے لکھا ہے کہ جانِ عالم ہر صبح مثلِ مہرِ درخشاں قطعِ منازل و مراحل یعنی کوچ ہر شام مانندِ ماہِ تاباں مقام کرتا، چند عرصے میں پھر اسی دشتِ ادبار، صحرائے خار خار، جہاں حوض میں کود پڑا تھا، وارد ہوا۔ حوض کے متصل سراپردۂ خاص نصب ہوئے، گردِ لشکرِ نصرت اثر اترا۔ انجمن آرا اور ملکۂ مہر نگار کو وہ چشمہ دکھایا۔

جب دن تمام ہوا، نمازِ شام کے واسطے جدا خیمہ میں تشریف لایا۔ نماز پڑھ کر کسلِ راہ سے پلنگڑی جواہر نگار بچھی تھی، اس پر لیٹ رہا۔ سستی کے باعث غنودگی سی تھی کہ دفعتاً ایک خواص خاص انجمن آرا کی بدحواس دوڑی آئی، کہا، "شہزادۂ جانِ عالم کی عمر دراز ہو! بنصیبِ دشمناں شہزادی کی طبیعت ناساز ہے، شدت سے کلیجے میں درد ہوتا ہے، وہ نقشِ سلیمانی اور لوح دیجیے دھو کر پلا دیں۔" عارضۂ مزاجِ مطلوب و بدمزگیٔ طبیعتِ محبوب سُن کر بے قرار ہوا۔ کچھ نیند کا خمار، کچھ طبیعت کا انتشار، دیکھا نہ بھالا، لوح و نقش حوالہ کیا۔

نقش دیتے ہی نقشہ بگڑ گیا۔ ایک آوازِ مہیب پیدا ہوئی کہ "اے جانِ عالم! بہت دنوں اڑتا پھرا، مدت کے بعد پھنسا، خبردار ہو جا!" ایسی آواز ہولناک تھی کہ سب لشکر ڈر گیا۔ شجاعوں کے دل تھرّا گئے، محل میں رنڈیوں کو غش آ گئے۔ گھبرا کے شہزادے نے اٹھنے کا قصد کیا، جگہ سے ہلا نہ گیا۔ غور جو کیا تو آدھا جسم پتھر کا ہو گیا تھا۔ پھر تو جو جہاں بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا، جو کھڑا تھا، اینٹھا رہ گیا۔ ہر طرف غل اور شور تھا، جو پڑا تھا مردۂ گور تھا۔ کچھ دکھ کچھ ہنسی، تمام فوج آفتِ ناگہانی میں پھنسی، عجب کھلبلی مچی، نامردوں کی بائی بچی۔ کل لشکر، انسان سے حیوان تک، نیچے کا دھڑ پتھر کا اور اوپر جسم بدستور۔ آہ و نالہ و فریاد و بکا سب لشکر میں بپا تھا اور محل سرا میں بھی یہی ہنگامہ مچا تھا۔ ہر ایک گرفتارِ بلا تھا۔ وہ رنڈیوں کی زاری، انجمن آرا کی بے قراری، علی الخصوص ملکہ کے بیان سے زمین و آسمان کانپتا تھا۔

جس وقت ماہ دمِ سرد بھرتا، نقابِ سیاہ روئے تاباں پر ڈال کر غم کدۂ مغرب کی طرف روانہ ہوا اور آفتابِ جگر سوختہ مشرق سے نکل کر خدنگِ آہِ بے کساں کا نشانہ ہوا، ایک ابرِ تیرہ و تار آیا، آدمی سب خوف زدہ دیکھنے لگے۔ اس ابر سے اژدہا خوں خوار، شعلہ فشاں، آتش دہاں نکلا۔ ایک رنڈی اس پر سوار، آتش بار، شہزادے کے خیمے میں اتری۔ جانِ عالم نے سمجھا کہ یہ وہی جادوگرنی ہے، دل سے کہا، "شہرا اپنا دور رہا، موت قریب آئی، قسمت نے کس جگہ لا کر نیرنگی دکھائی۔" وہ بولی، "جانِ عالم! کہو اب کیا قصد ہے؟"

شہزادے نے کہا، "وہی جو تھا۔"

اس نے کہا، "اب وہ نقشِ سلیمانی اور لوحِ بہ بیر مردگی نشانی کہاں ہے، جس کے

بھروسے پر کودتے تھے، اگر زندگی مع لشکر درکار ہے، تو ملکہ اور انجمن آرا سے انکار کرو، ہماری اطاعت اور محبت مقدم جان کر ہم سے دار و مدار کرو۔ نہیں تو ایک دم میں سب کو بے گور و کفن، طعمۂ زاغ و زغن کر دوں گی، دشت لاشوں سے بھر دوں گی۔"

شہزادے نے کہا، "ہماری لوحِ دل پر نقش ارادتِ حافظِ حقیقی، کلکِ قدرت سے منقش ہے۔ عادت سے مجبور ہوں، بے وفائی سے دور ہوں۔ جو کہا سو کہا، جو کیا سو کیا۔ اگر قضا آئی ہے، مرنے سے کیا چارہ ہے، مگر جیتے جی بات جانی کیا گوارا ہے۔"

یہ سن کر جل گئی، غصے سے رنگت بدل گئی۔ کچھ بڑبڑا کر جان عالم پر پھونکا، یا نصف پتھر تھا، اب حلق تک پتھر ہو گیا۔ حسرت و یاس سینہ میں بھری تھی، تصویرِ آزری سی پلنگڑی پر بے حس و حرکت دھری تھی۔ وہ تو اژدھے پر چڑھ کر اڑی اور پکاری، "اے اجل رسیدہ! آج کے دن اور رات کی مہلت ہے۔ اگر صبح کو بھی انکار کیا تو یاد رکھنا لشکر کا خون اپنی گردن پر لیا۔" یہ سنا وہ تو ہوا ہوئی۔ جب تک شہزادہ آدھا پتھر تھا تو ملکہ اور انجمن آرا اپنے اپنے خیموں سے گھبرا کر پکارتی تھیں، جان عالم جواب دیتا تھا۔ یہی آواز کا سہارا ان کی زیست کا سبب تھا۔ اب حلق تک پتھر ہونے سے وہ جرسِ قافلہ گم کردہ راہ دشتِ غربت، بے صدا ہو گیا۔

انجمن آرا بے چاری، مصیبت کی ماری سب کا منہ حیرت سے تکتی تھی اور روتی تھی۔ نہ بین کر آتے تھے نہ غل مچایا جاتا تھا۔ گھٹ گھٹ کر جان کھوتی تھی، خواصیں سر کھول کر کہتی تھیں، "ہے ہے! ہم اس جنگل ویران میں لٹ گئے، وارث سے چھٹ گئے۔" کوئی کہتی تھی، "شیطان کے کان بہرے، خدانخواستہ اگر جانِ عالم کے دشمنوں کا رونگٹا میلا ہوا، شہزادیاں خاک میں مل جائیں گی، غمِ جدائی سے جانیں گنوائیں گی۔ ہم ان کے ماں باپ کو کیا منہ دکھائیں گے، اس دشت ادبار میں سر ٹکرا کے مر جائیں گے۔" اور آتونِ محل در جگر افگار، سر سے چادریں پٹک، مدینے کی طرف پکار پکار، ایک طرف مغلانیاں، غم کی ماریاں، دمِ گرم، آہ سرد بھرتی تھیں۔ ایک سمت انیسیں، جلیسیں، نجف کی طرف بال کھول کر التجائے گریہ و بکا کرتی تھیں۔ کوئی کہتی تھی، "ہمارا لشکر اس بلا سے جو نکلے گا تو مشکل کشا کا کھڑا دونا دوں گی۔"

کوئی بولی، "میں سہ ماہی کے روزے رکھوں گی، کونڈے بھروں گی، صحنک کھلاؤں گی، دودھ کے کونڈے بچوں کو پلاؤں گی۔" کسی نے کہا، "میں اگر جیتی چھٹی، جناب عباس کی درگاہ جاؤں گی، سقائے سکینہ کا علم چڑھاؤں گی، چہل منبری کر کے نذرِ حسین سبیل پلاؤں گی۔" غرض کہ لشکر سے زیادہ خیموں میں تلاطم پڑا تھا۔

اتفاقاً ایک شاگرد ملکہ کے باپ کا رشید، فن سحر میں دیدہ نہ شنید، اس مردِ بزرگ کی ملاقات کو بہ روئے ہوا اڑا جاتا تھا۔ یہ نالۂ بلند، صدائے ہر دردمند، اس کے کان میں جو پہنچی، زمین کا متوجہ ہوا۔ دیکھا تو ایک لشکرِ عظیم بہ حال سقیم، سحر کا مبتلا ہے، شور و غل ہو رہا ہے۔ جب قریب آیا، طرفہ ماجرا نظر آیا کہ انسان سے تا جانور سب آدھے پتھر ہیں۔ سمجھا کہ سحر شہپال میں خراب حال ہیں۔ لوگوں سے پوچھا یہ ستم رسیدہ لشکر کس کا ہے، کہاں سے آیا ہے، کس نے یہ حال بنایا ہے؟ وہ ملکہ مہرنگار کے ملازم تھے، اپنا حال سب نے بیان کیا۔ جب اسے یہ امر معلوم ہوا کہ استاد زادی کی خانہ بربادی ہے، درِ خیمۂ ملکہ پر آیا، سر پیٹا، چلایا۔ ملکہ نے آواز پہچانی، کہا، "بھائی! اس وقت پردہ کہاں کا، یہاں آ کر بامشافہ ہمارا عذاب اور حالِ خراب دیکھو!" وہ اندر آیا، ملکہ کو بھی اسی عالم میں پایا۔ اس نے فرمایا، "عداوتِ ساحرہ سے ہمارا قافلہ تباہ ہے۔" وہ عرض کرنے لگا، "فدوی کو اس کی ہم سری کی طاقت نہیں اور دو قفہ کم۔ صبح سب کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا۔ یہ جز آپ کے والدِ بزرگوار کے تشریف لائے یہ بلا ممتی نہیں۔ لو، خدا حافظ و ناصر ہے۔" یہ کہہ کر بہ حالِ خستہ و تباہ، لب پر نالہ و آہ اس تیز قدم سے چلا کہ آدھم صبا کی دُپٹ ہر قدم نثار تھی، ٹھوکروں میں صرصر بے قرار تھی۔ پہر بھر میں واردِ باغ ہوا۔ گل سا چاک گریباں غنچے کی طرح خموش، شبنم نمط اشک رواں۔ پیر مرد نے فرمایا، "خیر ہے؟"

اس نے شمہ گرفتاریِ جان عالم، ملکہ کی بے قراری، انجمن آرا کا الم، لشکر کا حال ابتر کہہ کر عرض کی، "جلد چلیے! اگر شام تک نہ پہنچے، وہاں صبح ہی، دمِ سحر ملک الموت کا بازار گرم ہو گا۔"

اسی دم شاہینِ تیز پرواز پر سوار ہوا، مغرب کی نماز لشکر میں داخل ہو کر پڑھی۔ پہلے جانِ عالم کے خیمے میں آیا، حال دیکھ کر سخت گھبرایا۔ پھر انجمن آرا کی جا کر تسکین کی، وہ رونے لگی

وہاں سے ملکہ کے پاس آکر کہا "تمھاری بدبختی نے ہماری وضع میں فرق ڈالا، برسوں کے بعد باغ سے نکالا۔" القصہ مجبور و ناچار، وہ عارفِ باوقار، شہزادے کے خیمے کے نزدیک، دور تنگ حصار کھینچ کر بیٹھا۔ جب ساحرِ فلکِ چہارم، پُرشوکت و باحشم طلسمِ مشرق سے نمودار باجوش و خروش ہوا اور وہ عبادت گزار، پیرِ جوان مرد و شب زندہ دار، وظائفِ صبح سے فرصت پا چکا تھا، یکایک وہ نابکار، شیطان صفت، ناپاک عورت، اژدہے پر سوار، بہ چشمِ خوں خوار، بہ عزمِ قتلِ جانِ عالم، لشکر میں تنہا آئی۔ پہلے ملکہ کے باپ کے پاس گئی۔ آنکھیں لال لال، طیش کمال اور بہ آوازِ کرخت پکاری، "اے مردِ پیر، سست تدبیر! تیری اجل بھی دامن گیر ہو کر کشاں کشاں اس دشتِ جاں فشاں میں لائی ہے۔ مجھے شرم آتی ہے کہ تو پیر نود سالہ ہو چکا ہے، بے مارے مر رہا ہے، تیرے قتل میں بدنامی چھٹ، فائدہ کیا ہے۔ جدھر سے آیا ہے سیدھا چلا جا۔"

مردِ بزرگ نے آشفتہ ہو کر فرمایا، "اے ننگِ فرقۂ بنی آدم، مردودِ عالم! میں مرگِ عزیزاں دیکھوں، مرنے سے ڈروں؛ بہ قول تیرے آج نہ مُوا، کل مر جاؤں گا، جیتے جی خلق کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ ہم چشموں سے ناحق آنکھ چھپانی پڑے گی، تو بدبخت مجھ سے کیا لڑو گی۔"

یہ سُن کر وہ فاحشہ جھلّا، آستین چڑھا، سحر کی نیرنگیاں دکھانے لگی۔ ان کی بھی دعا کی تاثیر سپر بن کر اس کا سحر اس پر ڈھال، رنگ مٹانے لگی۔ کچھ دیر اس ہیئت میں لڑائی، زور آزمائی رہی۔ آخرِ کار وہ روباہ خصال، اس ہزبرِ نیستانِ شجاعت کی تاب نہ لائی، گیدڑ بھبکی دکھائی اور عقاب بن کر اڑ چلی۔ وہ شاہینِ اوجِ دلیری سوچا، "بے گرفتاری طائرِ مطلب اس ڈھڈو کے لشکر جنجال سے نہ نکلے گا۔ بلا سے کچھ ہوا، اسے پھنساؤ۔ زور میں کم پایا تھا، فوراً باز تیز پرواز ہو کر اس سنّاٹے سے چنگلِ آہنی میں اسے دبوچا اور ایسا نوچا کہ اس کی جان سنسنا گئی۔ بھاگتے وقت رجال الغیب سامنے تھا، موت پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑی۔ بہت تڑپی، پنجۂ قضا سے نہ چھوٹ سکی، اسی کشمکش، اینچا کھینچی میں مرغِ روح اس کا مجروح، قفسِ تن سے اڑ کر آشیانۂ جہنم میں پہنچا۔

جانِ عالم گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ اہلِ لشکر نے رہائی، از سرِ نو زندگی پائی۔ جانِ عالم خیمہ سے نکل، نادم و مجل پیر مرد کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہزادہ پیر مرد کو ساتھ لے کر محل سرا کے خیمے میں آیا۔ شہزادیوں نے جان پائی۔ جلیسوں کے منہ پر رونق آئی۔ خواصوں نے شکرِ جنابِ باری کیا۔ اس بزرگ نے فرمایا، "ابھی اس معرکے سے نجات نہیں ہوئی۔ آفتِ عظیم کا سامنا باقی ہے۔

جانِ عالم نے پوچھا، "قبلہ! وہ کیا ہے؟"

اس نے فرمایا، "اس کا باپ شہنشاہِ جادوداں ہے۔ کوئی دم وہ فرود آئے گا، بکھیڑا مچائے گا۔

ملکہ مہر نگار مضطرب ہوئی۔ پیر مرد نے فرمایا، "اللہ یار ہے، وہ کیا نا بکار ہے"۔

وہ رات بھی بیم و ہراس میں گزری۔ جس وقت بھی ساحرِ شب بیدار، عاملِ صبح کی آمد کے دبدبے سے بھاگا، ہوا تند چلی، برق چمکی، رعد کی آواز ہوئی، اہلِ لشکر ڈر گئے۔ مثل مشہور ہے، مار گزیدہ از ریسمانِ پیچیدہ می ترسد۔

پیر مرد کے گرد سب جمع ہوئے۔ ایک سمت سے غول کے غول، غٹ کے غٹ جادوگروں کے جھٹ پٹ باز، جرے، باشے، بھجنگے، پرنگے دھڑنگے سوار قطار قطار آئے۔ انھیں دیکھ کے جانِ عالم کا جی گھبرایا، فوج کے سرداروں کو فرمایا، "گو آج دغدغہ کامل ہے، مگر یہ جلسہ اور معرکہ دیکھنے کے قابل ہے۔ زندگی ہے، تو ایسا روز کبھی کاہے کو نظر سے گزرے گا، ورنہ مرگِ انبوہ جشنے دارد۔ ہماری بھی فوج چمک دمک سے صف آرا ہو، اسباب سب نیا نکالو۔

یہ خبر سن پہلے بیل دار نکلے۔ پست و بلند زمین ہموار کر، کنکر پتھر چن کر جھاڑی جھنڈی کاٹ ڈالی، جھاڑی ہوئی زمین صاف برابر نکالی۔ پلٹنوں کی خاطر مورچے درست کیے، توپوں کے لیے دمدمے باندھے، جھانکی لگائی۔ کہیں سرنگ کا رنگ جمایا، باروت کو بچھایا، میدانِ جنگی بنایا۔

ادھر انجمن آرا اور مہر نگار نے ایک اونچا ٹیکرا تجویز کر خیمہ بپا کیا، چلمن چھوڑ آ بیٹھیں،

اس عرصے میں لشکرِ غنیم کی آمد ہوئی، یعنی شہپال جادوگر سیاہ رو، نو لاکھ ساحر ہمراہِ رکاب، شکست انتساب لے کر تخت پر سوار، چالیس اژدر خوں خوار، تخت اٹھائے بڑے کروفر سے آیا۔ وزیر اس کا پیام، پیر مرد کے پاس لایا۔ دستِ ادب باندھ کر عرض کی: "ایلچی کو زوال نہیں، زیادہ گوئی کی مجال نہیں، شہپال نے فرمایا ہے، تمہارا جینا مرنا برابر ہے کہ گرم و سردِ زمانہ دیکھ کر عمرِ طبعی کو پہنچے، مگر ان نوجوانوں پر رحم نہ کیا، ان کے خون کا حساب اپنی اعمال کی کتاب پر لکھوا، بوجھ اپنے ذمے لیا۔"

پیر مرد نے جواب دیا، "اس اجل رسیدہ پیرِ نابالغ سے کہنا، طرفین سے جس کا خون زمین پر بہے گا، اس کا مظلمہ، مواخذہ تیری بیٹی جو فاحشہ تھی اس کی گردن پر رہے گا۔ ہم سمجھتے تھے، وہی ننگِ خاندان تھی، لیکن اب معلوم ہوا، ایسوں کے ویسے ہی ہوتے ہیں۔ تجھے سفید داڑھی کی شرم نہ آئی کہ وہ مری، تیرا کلنک کا ٹیکا مٹا۔ تو تو اس سے بھی زیادہ بے حیا، سیہ قلب نکلا۔ یہ مقامِ رزم ہے، جائے نیزہ و شمشیر، یا بزم ہے، جو محلِ تقریر ہو، گفتگو بے فائدہ ہے۔ لاطائل باتوں سے کیا حاصل؟ جو منظور ہو، بسم اللہ! اس میں دیر نہ کرو۔ دیکھیں آج کس کے حصے میں تخت و تاج ہوتا ہے اور گور و کفن کو کون محتاج ہوتا ہے۔" وزیر محجوب پھرا، شہپال سے سب حال کہا۔ پھر تو کافرِ غدار، گبرِ ناہنجار، مثلِ مارِ دُم بریدہ، برخود پیچیدہ ہو، شعلۂ غضب سے وہ ناری جل گیا، چہرے کا رنگ گرگٹ کی طرح بدل گیا۔ پہلے آپ تختۂ آتشیں پیر مرد پر مارا، پھر لشکر کے سرداروں کو للکارا۔ دو پہر تک عجیب و غریب سحر سازی و ہنگامہ پردازی جادوگر اور جادوگرنیوں کی لڑائی رہی کہ دیکھی نہ سنی۔ کسی نے کسی کو جلایا، کسی نے بجھایا، کسی سنگ دل نے پتھر برسائے، سب کچھ سحر کے نیرنگ دکھائے۔

آخر کار جب جادوگری ختم ہوئی، لڑائی کی نوبت بہ گرز و شمشیر، نیزہ و تیر آئی، پھر تو شہزادۂ جانِ عالم کی بن آئی۔ باگ اٹھائی۔ فوجِ جرار، غازیانِ نامدار خبردار ہوئے، گھڑی بھر میں خون کا دریا بہہ گیا، لاشوں کا انبار رہ گیا۔ شہپال کو مار، سر اس خودسر کا مثلِ خیارِ تر اتارا گیا۔ سپاہِ باقی ماندہ اس تیرہ بخت، نگوں سار کی فرار ہوئی، زندگی دشوار ہوئی۔ وہ سرزمینِ قلعۂ خزانہ جانِ عالم کے قبضے میں آیا۔ بڑی جستجو اور تگاپو سے وہ لوح

اور نقش پایا۔ پیر مرد رخصت ہوا اور جتنے مدارجِ پند و نصیحت تھے، مکرر سمجھائے۔ راہ کا خطر، مصیبتِ سفر، ہر منزل و مقام کا نفع و ضرر کہہ کر کہا "میری جان! ایسی حرکت اور سامان نہ کرنا جو پھر کوئی روزِ سیاہ دشمنوں کے سامنے آئے، دوستوں سے دیکھا نہ جائے، ہم سے باغ چھڑائے۔ لو! اللہ حافظ و ناصر ہے، رسول اس کا تمھارا مددگار و یاور ہے۔"

یہ خاتمۂ داستان ہے

اور وطن پہنچنا شہزادہ جانِ عالم کا، زیارتِ والدین اور نوکِ جھونک ماہ طلعت کی توتے سے، ملکہ اور انجمن آرا کا دل بہلانا، پھر وزیرزادے کا قتل، سلطنت ترک کرنا فیروزبخت کا

غرض کہ شہزادۂ جانِ عالم منزل بہ منزل، مسافت طے کر، مع الخیر وطن پہنچا۔ دو کوس شہر سے باہر خیمہ برپا ہوا، لشکرِ ظفر پیکر اترا۔ یہ خبر فرحت آباد میں گھر گھر مشتہر ہوئی کہ کوئی عظیم فوجِ عظیم لے کر وارد ہوا ہے۔ دیکھیے ہوتا کیا ہے؟ شہر کا یہ نقشہ تھا، جس روز سے جانِ عالم مفقود الخبر، دربدر ہوا تھا، ویران پڑا تھا اور بادشاہ گریبان چاک، سر پر خاک، نہ تخت کی خبر، نہ سلطنت سے سروکار، نہ ملک سے مطلب نہ دربار سے غرض، دیوانہ وار، بادلِ بے قرار محل میں پڑا رہتا تھا۔ اور شہزادے کی ماں بھی غمگین، اندوہ ناک بے چین، دن رات غم کی حکایت، اندوہ کے بین، نصیب کی شکایت، لب پر شور و شین خلشِ نشترِ غم سے کوئی ساعت قرار نہ پاتی تھی، ہر وقت بلبلاتی تھی۔

جب ورودِ لشکر بایں کر و فر، سنا، وزیرِ اعظم جانِ عالم کے پاس آیا۔ بس کہ شہزادہ

با امتیاز کی مفارقت کو عرصۂ دراز ہوا تھا، اس کے سوا وہ سامانِ جاہ و حشم، لشکر کا حجم و خم، فوج ہزار در ہزار، انبوہِ بے شمار، خزانۂ لا انتہا دیکھ کر وزیر گھبرایا، اپنے شہزادے کا وہم و گمان نہ آیا۔ دست بستہ عرض کی، "قبلۂ عالم! گردشِ طالعِ واژوں، نیرنگیِ گردونِ دوں سے وارثِ تختِ سلطنت یہاں کا دفعتہً گم ہو گیا۔ بادشاہِ آسماں جاہ ہمارا مصیبت کا مارا، جگر گوشے کی مفارقت میں دامانِ صبر و گریبانِ شکیب، پارہ پارہ کر کے نورِ نظر بھی اس اپنے قرۃ العین طاقتِ بصر کے ہجر میں، گریہ کی نذر کر چکا ہے۔ ہنوز اس عین الکمال کے قدم کی خاک، سرمۂ چشمِ مشتاقاں و کحل الجواہرِ دیدۂ منتظراں نہیں ہوئی۔ بعدِ سلام، حضور کو یہ پیام دیا ہے کہ اگر خواہشِ تخت یا تمنائے تاج منظورِ خاطر ہے، بسم اللہ! کل نہیں، آج حاضر ہے۔ مگر سامانِ جنگ و جدال، گرم بازاریِ عرصۂ قتال، خوں ریزیِ بندہ ہائے خدا، ناحق، ناروا ہے۔ مجھے تختِ سلطنت، تختۂ تابوت سے بدتر ہے۔ جانِ عالم نے یہ سُن کر رو دیا، وزیر کو گلے لگایا، خلعتِ فاخرہ عنایت کیا، پھر کہا، "افسوس! تم نے گود کے پالے عرصۂ قلیل میں بھلا ڈالے؟ بعدِ آداب و کورنش عرض کرنا کہ بدولتِ کششِ الفتِ پدری و تاثیرِ دعائے سحری سے خانہ زاد، بامراد، زندہ و سالم، شرفِ آستان بوسی سے مشرف ہوا۔"

اس وقت وزیر نے پہچانا۔ قدموں پر گرا، پھر سر اٹھا کر بے اجازت بھاگا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا، پکارا، "مبارک ہو، اے بادشاہِ با اقبال! والئے صاحبِ جاہ و جلال! بہ عنایتِ جامع المتفرقین اور باعثِ برکتِ دعائے مہاجرین، وہ نیرِ اوجِ بختیاری، کوکبِ درخشندۂ سپہرِ شہریاری، با فوج و لشکر اور مجمعِ حورانِ پری پیکر، یہاں آیا اور اجڑے نگر کو آباد کیا، مشتاقوں کا دلِ الم رسیدہ شاد کیا۔ شکر صد شکر، نالۂ شب گیر تاثیر تھا۔

اس گفتگو میں وزیر تھا کہ جانِ عالم تنہا داخل ہوا، محل میں محشر کا قیام ہوا، رونا پیٹنا مچا، رنڈیوں کا اژدہام ہوا۔ ماں باپ نے گلے لگایا، شہزادہ بالتزام داعیین آداب بجا لایا۔ عینِ عنایتِ الٰہی دیکھیے، اسی دم دونوں کی آنکھوں میں بینائی آئی۔ جسم میں تاب و توانائی آئی۔ بادشاہ جلد سوار ہو، بہوؤں سے لشکر میں جا کر دوچار ہوا۔ شہر والوں نے یہ ماجرا سُنا، صغیر

دبیر، برتاد پیر دوڑے۔ دونوں لشکر جلو میں ہمراہ، آگے آگے جہاں پناہ، روپیہ اشرفی دورویہ تصدق ہوتا، محل سرا میں لاکر اتارا۔

جانِ عالم کی ماں نے انجمن آرا اور ملکہ مہر نگار کو دیکھا، جان و دل دونوں پر نثار کیا، بہت سا پیار کیا۔ مبارک سلامت کی صدا در و دیوار سے پیدا ہوئی، جس نے دیکھا وہ شیدا ہوئی۔

دوسرے دن ملکہ اور انجمن آرا نے شاہ فیروز بخت سے عرض کی کہ اگر حضرت کی اجازت ہو تو شہزادے کی محل سرائے قدیم میں ہم جائیں، ماہ طلعت سے ملاقات کر آئیں۔

بادشاہ نے فرمایا "وہ عورت بدبخت، سخت منھ پھٹ، بڑھ بولی، فضول ہے، اسے شرمندہ کرنے سے کیا حصول ہے؟ میاں مٹھو بھی حاضر تھے، بول اٹھے "قبلۂ عالم! یگانگت مقتضائے ملاقات ہے، خفت و ذلت کی کیا بات ہے؟"

بادشاہ چپ ہوا۔ شہزادیوں نے سواری طلب کی۔ طائر پرّاں نے پیش قدمی کر کے ماہ طلعت کو سلام کیا، اس نے سر جھکا لیا۔ یکایک سواریاں آپہنچیں۔ اس وقت وہ خفت کی ماری اٹھی، استقبال کیا، دونوں نے گلے سے لگایا۔ مسند پر جا بیٹھیں۔ ملکہ بڑی مقرر، خوش بیان تھی، انجمن آرا اتنی طرار کہاں تھی۔ سلسلۂ کلام بہ دل داریِ تمام کھولا کہ ہماری جانب اور گمان نہ لانا، ہم بہرحال شریکِ بشاشت، رفیقِ ملال ہیں۔

توتا، انجمن آرا کے سامنے آیا، ماہ طلعت سے کہا "حضرت سلامت! اتنا زبانِ مبارک سے فرماؤ کہ آج سچا کون ہے، جھوٹے کے منہ میں کیا ہے؟ اور تو کیا کہوں، آپ کی کج بحثی کے باعث جانِ عالم کے ہاتھ یہ لوگ مہ جبین، ماہ سیما آئے۔ گو اتنا بکھیڑا ہوا، میرے سبب آپ کو ندامت ہوئی، جھوٹے کے منہ میں گھی شکر ہوا۔" انجمن آرا تو سیدھی بھولی تھی، توتے سے بدمزہ ہوئی، فرمایا، "دیوانے کیا بیہودہ بکتا ہے؟" پھر ماہ طلعت سے کہا "سنو میری جان! یہ جانور، بے شعور، عقل سے دور، حیوانیت سے مجبور رہے۔ دنیا کا کارخانہ فسانہ ہے، رہا یہ حسن و خوبیِ عارض، وہ عارضی ہے، اس پر کیا اترانا ہے؟ یہ کیفیت، یہ جوبن، یہ سن چار دن کا ہے۔ ناپائدار، اس کا کیا اعتبار؟ رنگِ چمنِ دنیا جاوداں نہیں، کون سی بہار ہے جسے خزاں نہیں، حسن پر غرور بے جا ہے۔"

آخر کار دونوں نے ماہ طلعت کو شیریں زبانی اور اپنی خوش بیانی سے شگفتہ خاطر کیا۔

دو چار گھڑی ہنسی خوشی اختلاط رہا مگر توتا ٹوک جھونک چھیڑ چھاڑ کیے گیا۔ پھر رخصت ہوئیں۔ اس نے حاضر ہونے کا وعدہ کیا۔ واقعی جنھیں اللہ حسنِ بے مثال، مرتبۂ جاہ و جلال دیتا ہے، ان لوگوں کا دل صفا منزل، غبارِ کلفت اور عُجب و نخوت سے صاف اور مرأتِ سینہ، زنگِ حسد و کینہ سے شفاف ہوتا ہے۔

القصّہ، باہم بے رنج و الم رہنے لگے۔ سب شاد، ہر روز خنداں و خرّم و فرحاں بسر کرنے لگے۔ نئے سرے وہ اُجڑا شہر بسا۔ بنائے ظلم و ستم منہدم ہوئی۔ مروّج عدل و داد ہوا۔ دُنا سابق سے حال آباد ہوا۔ خزاں چمن سے دور ہوئی، بلبلِ نالاں مسرور ہوئی۔

ایک روز جانِ عالم نے تمام خلقت کو درِ شہر پناہ پر طلب کر کے وہ بکری کا بچہ دکھا، نمک حرامیاں اس کی سُنا، جلّاد سے حکم کیا، "اس کے اعضا، اعضا سے جُدا، بے دست و پا کر زاغ و زغن کو گوشت کی بوٹیاں اڑا کر کھلا دو! شکاری کتوں کو لہو بہا کر، چٹا دو!" بہ مجرّدِ ارشاد، سر اس بدنہاد کا تیغِ جلّاد سے جُدا ہو گیا۔ ایک عالم یہ سانحہ سن کر حیرت کا مبتلا ہو گیا۔ سب نے اس بے دین پر لعنت و نفریں کی، جانِ عالم نے دولت سرا کی راہ لی۔ اسی روز فیروز شاہ نے تاج و تخت بیٹے کے حوالہ کیا، خود گوشۂ تنہائی لیا۔ بادشاہ، شب اپنی عبادت اور بیداری میں سحر کرتا تھا۔ جانِ عالم ہر روز تخت پر جلوہ افروز ہو، عدل کی داد دے شب کو پری پیکروں میں بسر کرتا تھا۔ یہ عادل و سخی و رحیم و شجاع یکتائے روزگار مشہور ہوا، ذکر دونوں کا تا قیامِ قیامت صفحۂ روزگار، ورقِ لیل و نہار پر اور بر زبانِ یگانہ و بیگانہ رہا۔ بات باقی رہ گئی نہیں تو دورِ دوراں میں کس کا دور رہا، کس کا زمانہ رہا؟ جس طرح جانِ عالم کے مطلب ملے، اسی طرح کل عالم کی مراد اور تمنائے دِلی اللہ دے۔

تاریخ از مصنّف

جس نے کہ سُنا اس کو جی میں یہ لگا کہنے — یارب! یہ فسانہ ہے یا سحر ہے بابُل کا
تاریخ، سرور! اس کی منظور ہوئی جس دم — بے ساختہ جی بولا، نشتر ہے رگِ دل کا

۱۲۴۰ھ

تاریخ از درگا پرساد مدہوش

ہوئی جو مدہوش کو یہ خواہش کہ سالِ تاریخ اس کا لکھیے
تو کھینچ کر آہ دل سے نکلا، خزاں سے رنگِ بہار دیکھا

۱۲۴۰ھ

تاریخ از مرزا خانی نوازش

برائے خاطرِ یاران و احباب
سرور را ایں قصہ را چوں کرد ایجاد
بہ جستم سالِ تاریخش نوازش!
فلک، ایں گلستانِ بے خزاں داد

۱۲۴۰ھ

فرہنگ

الفاظ	معنی	الفاظ	معنی
ا		ارمُغان	تحفہ، انوکھی چیز
اَتھک	نہ تھکنے والا	اریکہ	تخت
اجل رسیدہ	موت پیٹا جس کی موت آئی ہو۔ موت کے پھندے میں پھنسا ہوا	اساس	بنیاد، جڑ
		اِستراحت	آرام
اُچھال چھکّا	اوباش عورت	اِستفسار	دریافت کرنا، پوچھنا
اِحتمال	اندیشہ۔ امکان۔ شک	اَسرار	بھید
احتیاج	ضرورت۔ حاجت	اِسفندیار	ایران کے ایک شہزادے کا نام جسے رُستم نے اندھا کر کے مار ڈالا تھا۔
احمر	سُرخ۔ لال		
احمق اللّذی	بے وقوف	اشہب	سیاہ رنگ کا گھوڑا جس میں سفیدی غالب ہو۔
اختر	سِتارہ		
اِختلاط	میل جول۔ محبّت۔ بے تکلّفی	اصیل	لونڈی۔
اِدبار	نحوست۔ زوال۔ بدنصیبی	اِفاقہ	فائدہ، مرض کی شدّت میں کمی کی حالت۔
ادّھی	آدھا پیسا		
اُدھیڑ بُن	الجھن۔ پس و پیش	اُفتاں و خیزاں	گرتے پڑتے
اَربعین	چالیسواں، چہلم	اِفترا پردازی	الزام دینا۔ تہمت دھرنا
اُردوئے معلّیٰ	شاہی لشکر، اردو زبان	اَفراسِیاب	توران کا ایک بہادر بادشاہ
ارغوانی	سُرخ، تارنجی	اَفزوں	زیادہ

الفاظ	معنی
اقلیم	ملک، ولایت، کرۂ زمین کا ساتواں حصّہ۔
اُلش	کسی بزرگ یا معزز آدمی کا جھوٹا کھانا، آئے کا اٹھایا ہوا کھانا
الم	غم، رنج، دُکھ
الماس	ہیرا
امرائیت	امارت، ریاست
امام ضامن	آٹھویں امام حضرت علی رضا بن موسیٰ کاظم کا عرف۔ وہ سکّہ جو مسافر یا بیمار کے بازو پر سلامتی وصحت کے لئے باندھا جاتا ہے بعد میں یہ سکّہ کسی غریب سید کو دے دیا جاتا ہے۔
اَمرد	نوعمر خوب صورت لڑکا جس کے داڑھی مونچھ نہ نکلی ہو
اِنبساط	خوشی
انچھر	(اکشر) جادو کے بول، منتر
اوبھی	وہ بھی
اورنگ	شاہی تخت
اَوگی	کارچوبی کام کا سلیم شاہی جوتا
اہتزاز	حرکت میں آنا۔ خوشی میں جھومنا ہوا کا چلنا۔

الفاظ	معنی
ایفا	وفا کرنا، نبھانا
ایلچی	سفیر
اَیوان	محل

آ

آبپاشی	چھڑکاؤ۔ پانی چھڑکنا
آتون	اُستانی، معلّمہ
آزر	حضرت ابراہیم کے چچا کا نام جو ایک مشہور بُت تراش تھے۔ بہ قولِ بعض حضرت ابراہیم کا نام۔
آزردہ	رنجیدہ، خفا
آسیب	جن، پری، دیو، پریت، سایہ
آشوب	ہل چل، فتنہ وفساد، غدر
آکاسی دِیا	اونچے بانس یا مینار پر روشن ہونے والا چراغ۔ چاند۔
آماج گاہ	نشانے کی جگہ۔ ٹارگٹ
آہن گر	لوہار۔

ب، پ

باب	دروازہ
باج ستاں	محصول، خراج وصول کرنے والا
بادسمُوم	گرم ہوا، لُو

الفاظ	معنی
بادلا	گوٹا بُننے اور کلابتوں بٹنے کے کام آنے والے سونے اور چاندی کے تار ۔ ریشم اور چاندی کے تاروں سے بُنا زری کا کپڑا
بادۂ گلگوں	سُرخ شراب
بادیہ پیمائی	جنگل ناپنا
باروت	شورہ ۔ مجازاً آتشی سفوف
باز	ایک شکاری پرندہ
باشے	ایک شکاری پرندہ
باغبانیاں	مالنیں
بالرّاس والعین	بہ سر و چشم
باہر بندو	پردیسی، شہر میں اجنبی
بتر	یا بدتر کا مخفف بمعنی بُرا ۔ ابتر
بچن	باتیں
بحقِ ربِّ ذوالمنن	صاحبِ احسان پروردگار
بداندیش	بُرا چاہنے والا، مخالف، دشمن
بدخشاں	تاتار اور افغانستان کی سرحد پر ایک شہر ۔
بدگِل	بدصورت، بھونڈا
بذلہ سنج	باریکیاں سمجھنے والا، لطیفہ گو
براجے	بیٹھے، رونق افروز ہو، زینت بخشے
بربری	ایک قسم کی چتکبری اور خوبصورت بکری
بُرج	سیارے کا گھر ۔
بُرجِ اسد	ایک آسمانی بُرج جس کی شکل شیر جیسی ہے ۔
برجِ حمل	آسمانی بُرج کا نام، آسمان کا پہلا برج جو مینڈھے کی شکل کا ہے ۔
برق وش	بجلی کی طرح شوخ، چمکیلا ۔
برگشتہ	بگڑا ہوا ۔ روٹھا ہوا ۔
برن	شکل، بھیس ۔
برنجی	پیتل کا
بریز بریز کرنا	کسی چیز کا گر کر بکھر جانا، شکوہ شکایت کرنا، واویلا مچانا ۔
بزّاز	کپڑا بیچنے والا ۔
بسان	طرح
بُستاں	بوستاں کا مخفف ۔ باغ
بطِ مے	شراب کی صراحی جو (بط) راج ہنس سے مُشابہ ہو ۔
بطن	پیٹ، کسی چیز کا اندرونی حصہ
بُعد	دوری، فاصلہ
بقراط	یونان کا ایک فلسفی جو طبیب بھی تھا ۔
بکھیڑا	جھگڑا، الجھاؤ، دنگا، فساد ۔

الفاظ	معنی
بلّور	صاف، شفاف، چمکدار
	ایک معدنی جوہر
بلی	بلوان، طاقت ور
بمجرّد	جیسے ہی، جس وقت
بند	روکنا، قید کرنا
بنفشہ	ایک خوشرنگ قسم کی بوٹی جس
	کا پھول ارغوانی یعنی سُرخ
	رنگ کا ہوتا ہے۔
بُنیان	بنیاد، نیو
بود و باش	رہن سہن
بوقلموں	رنگ برنگی، طرح طرح کے
بول بالا ہونا	شہرت پانا، ترقی کرنا،
	اقبال یاور ہونا۔
بہ	بہتر کا مخفف
بہزاد	ایک نقاش کا نام جو عہدِ شاہ
	اسمٰعیل صفوی میں نقاشی کرتا
	تھا اور اپنے فن میں کامل تھا۔
بہشت نژاد	جس کی اصل جنت ہو، مراد
	جنت کی طرح۔
بھیر بنگاہ	سفری لشکر کے ساتھ کے لوگ
	اور ڈیرہ خیمہ وغیرہ۔
بھانڈ	نقال، مسخرا

الفاظ	معنی
بھُجنگا	ایک سیاہ رنگ کا پرندہ
بھگتیا	سوانگ بھرنے والا، ناچنے والا
	عورتوں کے سے کپڑے پہن کر
	ناچنے والا۔
بے اعتنائی	بے مروتی، بے توجہی۔
بے پیر	جس کا کوئی استاد نہ ہو۔
بے تامّل	بے دھڑک، بغیر سوچے سمجھے
بید مُشک	ایک قسم کا بید جس کے پتے
	خوشبودار ہوتے ہیں۔
بے ریا	صاف دل، پاک باطن
بیکُنٹھ	جنت
بیلچہ	کدال، چھوٹا پھاوڑا
بیم	ڈر، خوف
بین کار	بین بجانے والا
پاش پاش	ٹکڑے ٹکڑے
پاہونی	وہ گیت جو دلہن کی رخصتی کے
	وقت گایا جاتا ہے۔
پَچ	ضد
پِچھل پائیاں	چڑیلیں۔ ٹنیں
پراچیوں	
منتشر	بِکھرا ہوا
پران	جان

الفاظ	معنی
پرّاں	اُڑنے والا
پُرتمکین	باوقار
پرتھمی	پرتھوی ، زمین
پروردہ	پالا ہوا
پریدہ	اُڑا ہوا
پشم	بے حقیقت ، معمولی ۔
پکھاوج	خاص ہندوستانی باجا، ڈھولک اس سے طبلہ ایجاد ہوا
پگاہ	سویرا
پنبہ دہاں	منھ میں روئی والا، بولنے سے عاجز
پنج تن	پانچ افراد، مسلمانوں کی اصطلاح میں پیغمبر خدا، حضرت علی، حضرت فاطمہ زہرا، حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین علیہ السلام ۔
پنج شاخ	وہ لوہے کا پنجہ جس کو بانس کی لکڑی پر فلیتوں کے روشن کرنے کے واسطے لگا دیتے ہیں ۔
پنجے	
پند	نصیحت
پنکھیرو	پنچھی، پرندہ
پَو	پانسنے کا موافق آنا۔ جیت
پوتھی	کِتاب

الفاظ	معنی
پونڈے	گنّے
پھٹکی	پرندے پکڑنے کا ایک خاص پنجرہ جس میں پرندے کے داخل ہوتے ہی کھڑکی بند ہو جاتی ہے ۔
پھٹکی پھٹکی	الگ الگ ، دور دور
پیادہ	پیدل
پیٹا	لڑتے ہوئے پتنگ کی ڈور جو لنگر کھا جاتی ہے ۔
پیچاں	بل کھاتا ہوا
پیچوان	ایسا حُقّہ جس کی لچک دار نَے بہت لمبی ہوتی ہے تاکہ اہلِ محفل اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے پیں ۔
پیر بخارا	ایک بزرگ کا نام، اس نام سے لکھنؤ میں ایک محلہ آباد ہے ۔
پیش خدمتوں	امرا کی عورتوں کی خدمت میں حاضر رہنے والی خادمائیں ۔
پیک	قاصد

ت

تاب	چمک، طاقت
تاباں	روشن
تابش	حرارت ، دھوپ کی تیزی
تاتار	ترکستان کا قدیم نام

الفاظ	معنی
تجاہلِ عارفانہ	جان بوجھ کر انجان بننا
تحت الثریٰ	پاتال، زمین کا سب سے نچلا حصّہ
تحمّل	برداشت
تختہ	کیاری، باغ کا قطع، کاغذ کا تاو
تریا	عورت
تریاک	تریاق
تراقا	زور کی آواز، شدّت کی پیاس حقّے کا دم لگانے کی آواز
تڑاق پڑاق	تیز طرّار
تسطیر	سطر کھینچنا، لکھنا
تضرّع	گڑگڑانا، رونا
تعب	سختی، تکلیف
تفاوُت	فرق
تفتہ	جلا ہوا
تلامذہ	تلمیذ کی جمع، شاگردوں
تمامی	رُوپہلی، سنہری تاروں کا بنا ہوا ایک دھاری دار ریشمی کپڑا۔
ہم تمثال	صورت۔ طرح
تنبولی	پنواڑی
تُندرَو	تیز رفتار
تُندمزاج	تیز مزاج
توسن	گھوڑا

الفاظ	معنی
توشہ راہ	زادِ راہ، وہ کھانا جو مسافر ساتھ لے جائے۔
تہمت	جھوٹا اِلزام، بہتان
تیمّناً	تبرّک کے طور پر
ٹ	
ٹپّہ	راگ کا نام۔ ایک قسم کا گیت جسے شوری پنجابی نے ایجاد کیا تھا۔
ٹٹّی	شکار کھیلنے کی آڑ جس کے پیچھے شکاری چھپ کر بیٹھتے ہیں۔
ٹھٹّا	پستہ قد، ٹھگنا۔
ٹونا لگنا	جادو کا اثر ہونا۔
ٹیکرا	ٹیلا
ثروت	امیری
ج	
جادہ	راستہ
جالینوس	یونان کا ایک حکیم جو طبیب تھا
جامعُ المتفرّقین	بچھڑوں کو ملانے والا یعنی خدا۔
جان جوکھوں	خطرہ، ہلاکت، جان کا زیاں
جاہ	مرتبہ
جاہ و حشم	شان و شوکت
جُجھ	لڑائی، جھگڑا، جنگ
جرّار	بہت جرأت والا

الفاظ	معنی
جرے	جمع جرہ کی۔ باز کا نر
جریدہ	تنہا، اکیلا
جزاک اللہ	خدا تجھے صلہ دے
جفرداں	علم جفر کا جاننے والا۔ علم جفر سے احوال غیب کا پتہ لگایا جاتا ہے
جگر سوختہ	دل جلا
جلیے والی	
جلّ علیٰ	بزرگ ہے اور بلند ہے
جلیس	ساتھی، ہم نشین، دوست
جم	فارس کے بادشاہ جمشید کا نام
جمجاہ	جمشید جیسا مرتبہ رکھنے والا
جمیع	تمام
جوّالہ	بہت بھڑکنے والا۔ لو۔ لپٹ
جود و عطا	سخاوت اور بخشش
جوزی، جبشی، دودھیا	حلوہ سوہن کی مختلف قسمیں
جولان	دوڑ بھاگ، کود پھاند
جہاں پناہ	دنیا کو پناہ دینے والا۔ مراد بادشاہ
جہندہ	اچھلنے کودنے والا
جھلے	بہت تیز بارش جو برس کر جلد کھل جائے
جھانجھ	جھلاہٹ، غصہ، مجیرے کو بھی کہتے ہیں۔
جھپٹ	تیز رفتاری

الفاظ	معنی
جھمکڑا	تجلّی، کر و فر، شان و شوکت
جھولیں	آرائش کے لیے جانوروں کی پیٹھ پر ڈالنے کا کپڑا۔
جھونٹنگ جھانٹا	عورتوں کا ایک دوسرے کے بال پکڑ کر کھینچنا اور مارنا۔
جی چرانا	کسی کام سے بچنا، بھاگنا
جیغہ	مرصع زیور جو پگڑی پر لگاتے ہیں

چ

الفاظ	معنی
چارہ ساز	علاج کرنے والا۔ ہمدرد
چِت	دھیان، خیال، محبت
چرخ بریں	نواں آسمان۔ عرش معلیٰ
چرخِ چنبری	دائرہ کی طرح آسمان۔ گردش کرنے والا۔
چرن	پیر، پانو
چشم داشت	امید۔ آس
چشمک زن	طعنہ زنی کرنا، آوازہ کسنا۔
چلّہ	چالیس دن کی مدت
چنڈول	امیر زادیوں کے بیٹھنے کی سواری جسے کہار اٹھاتے ہیں۔
چُوانا	منہ میں قطرہ قطرہ ٹپکانا
چو محل	وہ بیوی جو بیاہتا بیوی کے علاوہ رکھی جائے۔ وہ محل جس میں امرا،

الفاظ	معنی
	نوابین ایسی داشتہ کور کھتے ہیں
چوگھڑے	فرہنگ آصفیہ جلد ۲ ص
چونچلے	نخرے
چونڈا	سر کے بال
چہل کنجی	پیتل کا کٹورہ جس میں چالیس کنجیاں تار سے بندھی ہوتی ہیں اس کٹورے پر بارہ اماموں کے نام اور سورۂ مریم نقش ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ یہ اس کٹورے کی نقل ہے جس میں جناب مریم نے حضرت عیسیٰ کی ولادت کے وقت پانی پیا تھا اور دردِ زہ کی تکلیف ختم ہوگئی تھی اب عام طور پر بیماریوں میں بھی اس کٹورے سے پانی پلایا جاتا۔
چہل منبری	شبِ عاشور چالیس عزاخانوں میں جاکر روشنی کرنا اور مراد پوری ہونے پر خیرنی سے منبر چھانے کو چہل منبری کہتے ہیں۔
چھپکا	
چھلے کے بھینسے	وہ بھینسے جو کیچڑ میں پھنس کر وہیں پیر مارتے رہتے ہیں۔

الفاظ	معنی
چھٹ	سوائے، بجز
چھوٹی امت	ادنا درجے کے لوگ، مزدور پیشہ، اہلِ حرفہ۔

ح

الفاظ	معنی
حاضری	حضرتِ عباس کی منت مان کر شیرمال چڑھانا
حاکیان	حکایت بیان کرنے والے، حاکی۔
حجاب	شرمندگی
حزن	غم، رنج
حُمق	نادانی، بے وقوفی، حماقت
حواصِل	بگلا۔ مرد بسیار خور۔ ایک سفید چڑیا جو اکثر دریا کے کنارے ملتی ہے۔
حیص بیص	بحث و تکرار
حیلہ	تدبیر، کوشش، بہانہ

خ

الفاظ	معنی
خاصہ	بادشاہوں یا امیروں کا کھانا
خام پارہ	پھنال یا مکار عورت
خانماں آوارہ	گھر بار سے دور
خاور	مشرق، سورج
ختن	ایشیا کے ایک خطہ کا نام
خجستہ	مبارک
خجل	شرمندہ

خجلت دہ	شرمندہ کرنے والا
خدنگ	تیر
خدیو گیہاں	جہان کا بادشاہ ۔ اصطلاح میں مصر کے بادشاہ کو خدیو کہتے ہیں
خراج	محصول، ٹیکس
خَراد	اصل خراط۔ لکڑی کو صاف کر کے مختلف چیزیں بنانے کا آلہ ۔ یہاں جائے تربیت سے مُراد ہے
خسرو	بادشاہ
خس و خاشاک	گھاس پھُوس
خسُوف	چاند گرہن۔ یہاں مراد کلفتِ سفر
خطِ ریحان	خطِ گلزار، اس خط میں حروف جلی ہوتے ہیں اور حروف کے بیچ میں نقش نگار بنائے جاتے ہیں۔
خضر	ہریالی، مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جناب خضر کو حیاتِ جاوداں بخشی گئی ہے یہ زمین بھولے بھٹکوں کو راستہ بتاتے ہیں اور جہاں بیٹھتے ہیں وہاں سبزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے یہ نام پڑا۔
خفقان	ایک بیماری جس میں دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے۔
خفیف	شرمندہ

خلجان	خلش، وسواس، اندیشہ
خُمخانہ	شراب خانہ
خواجہ سرا	وہ خصّی غلام جو امرا اور سلاطین کی محل سراؤں میں جا سکتے تھے اور احکام پہنچانے کی خدمت بجا لاتے تھے
خَواص	لونڈی یا مصاحب عورت جو امرا کی عورتوں اور امرزادیوں کی خدمت کے لیے ان کے ساتھ رہتی ہے۔
خود	لوہے کی جنگی ٹوپی
خود رفتہ	دیوانہ
خوش خو	اچھّی عادت والا
خونناب	خون کے آنسو ۔
خیال	راگ کا نام
خَیرُ الاَنام	لوگوں میں سب سے اچھا۔ مخلوق میں بہتر۔ مراد رسولِ اکرم
خَیل	گروہ
خَیلا	پھوہڑ اور احمق عورت۔ وہ عورت جسے اپنی سُدھ بُدھ نہ ہو۔

د

داد دہی	انصاف
دارا	ایران کے ایک بادشاہ کا نام جو سکندر کے زمانے میں مارا گیا۔ اسے داراب بھی کہتے ہیں۔

دار و گیر	دھر پکڑ، پکڑ دھکڑ
داتا کِل کِل	بات بات پر لڑائی جھگڑا کرنا
داؤں مینجنا	جواریوں کی اصطلاح میں داؤں کا خالی جانا۔
دَدا	وہ عورت جو بچوں کی پرورش کے لئے ملازم ہو۔
دبدبہ	رعب داب، شان و شوکت
درب (درویہ)	دولت، نقدی۔
دروغِ مصلحت آمیز به از راستیِ فتنہ انگیز	مصلحت آمیز جھوٹ، فتنہ و فساد پیدا کرنے والے سچ سے بہتر ہوتا ہے
دُزدِ حنا	وہ سفیدی جو مہندی لگانے کے بعد رہ جاتی ہے۔
دست پاچہ	پریشان، حیران۔
دشت نوردی	جنگل جنگل مارا پھرنا۔
دغدغہ	کھٹکا، دھڑکا، خطرہ۔
دل دوز	دل خراش
دمدمے باندھنا	مصنوعی قلعہ بنانا، مورچہ باندھنا
دم ساز	رفیق، مونس
دُودچِت	ریجھنا، بُری نگاہ رکھنے والا۔
دودمان	خاندان
دُور افتادہ	بچھڑا ہوا
دورویہ	دونوں طرف
دوسار ہونا	نصف تیر کا نشانے سے باہر نکل کر لٹکنا

	رہنا جو خلش کا باعث ہوتا ہے۔
دَول	خاندانی فضیلت اور بزرگی۔
دُوں	کمینہ، ہیچ
دَوندے	مٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹیلے
دونے	پتوں کو برتن کی شکل میں بنا کر اس میں مٹھائی رکھ کر کسی بزرگ کو نذر دینا۔ کھڑا دونا۔ پتوں میں مٹھائی رکھ کر حضرت علی کی نذر دینا۔
دَوے	تاش کا وہ پتا جس میں دو نشان ہوں۔ جوے کے ایک داؤں کا نام۔
دہن دریدہ	منہ پھٹ
دُھرپت	دھرپد۔ ایک راگ کا نام
دھرم مورت	ایمان مجسّم۔ مجسّم انصاف
دَیا	رحم۔
دیگ تیغ کا مالک	سخاوت اور تلوار کا دھنی
ڈ	
ڈانوا ڈول	حیران، پریشان، متذبذب۔
ڈاہ	حسد، جلن۔
ڈپٹانا	تیز بھگانا، دوڑانا، گھوڑا اڑانا۔
ڈگر	راہ، راستہ
ڈہڈہا	تر و تازہ، سرسبز و شاداب، نہایت زرد یا سرخ شوخ رنگ، بھڑکیلا چمکیلا۔

ڈھڈو	کوے کی مادہ۔ یہاں مُراد بڑھیا سے ہے
ڈِھگ	پاس، قریب
ڈیل	جان، جسم
ذوی الاقتدار	صاحبِ قدر، اختیار والا
ر	
راتب	کتے، بلّی اور ہاتھی کی روزانہ خوراک
راج ہٹ، بال ہٹ، تریا ہٹ	راجا، بچّے اور عورت کی ضد مشہور ہے۔
راستی	سچّائی
رت جگا	رات بھر جاگنا۔ اسے خدائی رات بھی کہتے ہیں خوشی کی تقریبات میں عورتیں رات بھر جاگ کر گلگلے اور پکوان پکاتی ہیں اور نذر و نیاز دلاتی ہیں، صبح مسجد میں طاق بھرنے جاتی ہیں۔
رجال الغیب	غیبی انسان، وہ انسان جو غیب سے ظاہر ہو۔
رَخنہ بندی	سوراخ بند کرنا۔ راستہ روکنا
رُستم	زال کا بیٹا، فردوسی کے شاہنامے کا ایرانی ہیرو جو اپنی قوت و شجاعت سے ضرب المثل بن گیا ہے۔
رُطب و یابس	تر اور خشک، تازہ اور سوکھا ہوا، مُراد اچھا اور بُرا
رعد	گرج، بجلی کی کڑک
رعیت	رعایا، پرجا۔
رقّت	دل بھر آنا، رونا۔
رقیب	دشمن، حریف، ہم پیشہ، مدِمقابل
رکاب دار	باورچی، ہر قسم کے کھانے اور مٹھائیاں تیار کرنے والا۔
رمنا	چراگاہ، شکارگاہ
رنڈی	پہلے عورت کے لیے بولا جاتا تھا اب طوائف کو کہتے ہیں۔
رنگترے	سنترے۔
رو بکار	سامنا، پیشی۔
رَوُند	سپاہیوں یا چوکی داروں کا رات کا گشت۔
رُوئیں تن	فولادی جسم والا، اسفندیار کا لقب، ایرانی بادشاہ گشتاسپ کا بیٹا جسے رستم نے دو شاخہ تر سے اندھا کر کے مار ڈالا تھا۔ کہتے ہیں کہ کسی صاحبِ کمال کی دعا سے یا کسی وجہ سے اس کے جسم پر کوئی حربہ کام نہ کرتا تھا۔
ریاضی	علم حساب
ریزہ	وہ کپڑا جس پر باریک کام کیا گیا ہو۔
ریگ ریت	کثرت، زیادتی
ریل پیل	

ز

داغ	کوّا
زال	رستم کے باپ کا نام جس کے بال پیدائش کے وقت سفید تھے
زائر	زیارت کرنے والا۔ کسی مقدس مقام کو دیکھنے کے لیے جانے والا
زبُون	مکروہ، بُرا، خراب، خوار، منحوس
زربفت	وہ کپڑا جس پہ سونے چاندی کے تاروں سے گل بوٹے بنائے جائیں
زردوزی	سنہرے اور روپہلے تاروں سے کپڑوں پر پھول پتے بنانا۔
زغن	چیل
زک	نقصان
زمبق (زنبق)	ایک سفید پھول جس کی پنکھڑیاں بڑی ہوتی ہیں اور خوش بو کم
زمرّد	سبز رنگ کا ایک قیمتی پتھر
زمرہ	گروہ، مجمع، جھرمٹ
زیب دہ	زینت دینے والا
زیرک	دانا، عقلمند

س

سابقین	اگلے لوگ، پہلے کے لوگ
ساچق	شادی سے روز رات کے وقت مگر عقد سے پہلے کچھ گھڑے جو رنگین اور منقش ہوتے ہیں اور جن میں میوے اور نقل وغیرہ اور بہت سی چیزیں یعنی نکاح کا جوڑا سنگھار کا سامان، مہندی وغیرہ ہوتی ہے۔ دولھا کے یہاں سے دلھن کے گھر لے جاتے ہیں اسی کے ساتھ جوڑا بھی جاتا ہے، اسے بری بھی کہتے ہیں۔
سام	رُستم کا دادا۔ مشہور پہلوان۔
سامری	ایک مشہور جادوگر جو سامرہ کا باشندہ۔ روایت ہے کہ اس نے جبریل کے گھوڑے کی خاک اٹھالی تھی۔ یہ بعض آثار سے جبریل کو پہچانتا بھی تھا۔ وہ خاک اس نے گوسالہ کے جوف میں، جو سونے چاندی سے بنائی گئی تھی، ڈال دی، وہ گوسالہ جان دار ہوگئی اور بولنے لگی اور اُس کی وجہ سے حضرت موسیٰ کی امت کے بہت سے لوگ گمراہ ہوگئے تھے۔
سپہر	آسمان
ستودہ	عادتیں رکھنے والا۔ قابل تعریف۔ جس کی سب تعریف کریں۔
سٹھنیاں	عورتوں کی اصطلاح میں اس گیت کا نام ہے جو ڈومنیاں آرسی مصحف کے وقت گاتی ہیں۔

سٹپکنا	ہچکچانا
سحاب	بادل
سراسیمہ	پریشان، گھبرایا ہوا۔
سرپیچ	پگڑی، صافہ
سرِدست	فی الحال، ابھی
سرشک	قطرہ، آنسو
سرطان فلک	کیکڑہ۔ آسمان کے چوتھے برج کا نام
سرکنڈا	سینٹھا، نرکل
سرگشتہ	متحیر۔ حیران و پریشان
سرنوشت	نصیب، قسمت کا لکھا۔
سرود	راگ، نغمہ
سریر	تخت
سزاوار	حق دار، لائق
سِفلہ پرور	کمینوں کو پالنے والا۔
سقر	جہنم کا ایک طبقہ
سُقراط	یونان کے ایک فلسفی کا نام جس کو زہر دے کر ہلاک کیا گیا۔
سقّہ	پانی پلانے والا
سقیم	ابتر، خراب
سکھپال	زنانی سواری کا نام (پردہ نشین عورتوں کے لئے)
سلاسل (جمع سلسلہ)	زنجیر
سَلَف	بزرگ۔ گزرے ہوئے لوگ۔

سلک	لڑائی
سلیمان	ایک پیغمبر کا نام۔ حضرت داؤد کے بیٹے۔ ان کی حکومت جن و انس، چرند پرند یعنی جملہ مخلوق پر تھی۔
سمند	گھوڑا
سُنکرنیں	میوہ فروش عورتیں
سِنگوٹیاں	جانوروں کے سنگوں پر چڑھانے کے جڑاؤ خول، جو آرائش کے لئے چڑھائے جاتے ہیں۔
سنیچر	زُحل، نحوست
سوختنی	جلنے یا جلائے جانے کے قابل
سورۂ اخلاص	قُل ہُوَ اللہ کی سورۃ۔ اخلاص اُردو میں پیارا ور محبت کو کہتے ہیں۔ اس لیے عورتیں اس سورۃ کو محبت اور سہاگ کے واسطے مخصوص خیال کرکے آرسی مصحف کے وقت دولہا سے اس کی شہادت کی انگلی سے دُلھن کی پیشانی پر لکھواتی ہیں۔
سوفار	تیر کے پر
سُوا	توتا۔ مشرقی یو۔پی میں سُگا بھی کہتے ہیں۔
سہل ممتنع	وہ نظم جس کی نثر نہ کی جاسکے۔ وہ نثر کر اس سے آسان الفاظ میں اس کو نہ کہا جاسکے۔

سیاح	سیر و سفر کرنے والا
سیر	پیٹ بھرا، جی بھرا
سیم بر	چاندی کا سا جسم رکھنے والا، گورا چٹا
سیوک	ملازم
سیہ تاب	اصطلاحاً جب صیقل کئے ہوئے لوہے کو سیموں کے عرق میں تر کر کے ایک خاص طریقے سے آگ پر رکھتے ہیں تو وہ نیلگوں ہو جاتا ہے۔ اسی کو سیہ تاب کہتے ہیں۔ مراد چہرہ سیاہ ہو جانا، جھلس جانا۔

ش

شادی مرگ	خوشی کی زیادتی سے مرجانا۔
شاہ وار	بادشاہ کے لائق
شحنہ	کوتوال
شُدہ شُدہ	ہوتے ہوتے
شر	برائی، تکلیف
شست دشت	ہاتھ سے نشانہ باندھنا
شعلۂ جوّالہ	گھومنے والا شعلہ
شُقّے	خط، پرچہ
شکیب	قرار، صبر
شلک	کئی بندوقوں کے یک بارگی چھوٹنے کی آواز، بندوقوں کی باڑھ۔
شمائل	خصلتیں، عادتیں
شمشاد	سرو کی طرح کا ایک درخت
شمع کا چور	بعض اوقات شمع کا دھاگا ٹیڑھا ہونے سے موم ایک طرف سے پگھلنے لگتا ہے اور رخنہ پڑ جاتا ہے، اسے شمع کا چور کہتے ہیں۔
شمہ	ذرا سا، تھوڑا
شناور	تیرنے والا، تیراک۔
شنگرف	سُرخ
شُہدا	ایک فرقے کا نام جو شادی اور غمی میں مختلف کام کرتا ہے۔ گالی گلوچ میں مشہور ہے۔ اس لیے بدمعاش، لُچا اور بازاری آدمی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔
شہر پناہ	شہر کی چار دیواری
شہود	گواہ، سامنے
شیدا	فریفتہ، دیوانہ

ص، ط، ظ

صاعقہ	بجلی، برق
صبادم	صبا رفتار، تیز رفتار
صحنک	مٹی کے کونڈے یا طباق میں خشکہ، دہی، شکر اور گلگلے رکھ کر حضرت فاطمہ کی نذر دی جاتی ہے۔ پہلے اسے سات سہاگنیں چکھتی ہیں پھر پاک دامن

	عورتیں اور بچے کھا سکتے ہیں۔
صدف	سیپی
صراطِ مُستقیم	سیدھا راستہ
صرّاف	سونا چاندی اور جواہرات پرکھنے والا
صعوبت	سختی، تکلیف
صُمّ بُکمٌ	بہرے، گونگے، چپ چاپ
صنّاعی	کاری گری
صواب	ٹھیک، درست
صواب دید	صلاح، تجویز
صَولت	دبدبہ
صَید	شکار
طالع	بخت، نصیب
طپاں	تڑپنا، بے قرار ہونا
طُرّہ	پگڑی کا وہ سرا جو اٹھا رہتا ہے۔
طعام	کھانا
طعمہ	خوراک
طلاقت	طاقتِ گویائی
طلبیدہ	طلب کیا ہوا
طِلسم	جادو
طوطی	ایک چھوٹی سبز چڑیا۔
ظریف	خوش طبع، خوش مزاج
ظلِّ سُبحانی	خدا کا سایہ۔ بادشاہ

ع، غ

عار	شرم۔ غیرت
عازم	ارادہ کرنے والا
عاطر	پاکیزہ، نفیس
عُجب و نخوت	غرور، تکبّر۔ خود بینی
عربدہ	بدخوئی۔ لڑائی
عرصۂ قتال	میدان جنگ
عرفی، خاقانی، فردوسی، انوری	فارسی کے مشہور شعراء
عزمِ بالجزم	پکّا ارادہ
عزّ و جلّ	لفظی معنی غالب ہوا اور بزرگ ہوا۔ مراد ہے خدائے تعالیٰ سے۔
عسلِ مصفّیٰ	صاف کیا ہوا شہد
عُقدہ	گرہ
عقیق	ایک سُرخ قیمتی پتھر
عُلوی، سفلی	علوی عمل وہ ہوتا ہے جو آسمانی موکّلوں یا اسمائے الٰہی کے ذریعے کیا جاتا ہے سفلی عمل وہ ہے جس میں شیطان یا روحانیات ارضی سے استعانت کی جائے
عنان	لگام۔ باگ
عین الکمال	نظرِ بد
غٹ کے غٹ	جُھنڈ کے جُھنڈ
غزال	ہرنوٹا۔ نوجوان ہرن

غلام گردش	زنان خانے اور دیوان خانے کی درمیانی گیلری۔ خادموں کے بیٹھنے کی جگہ۔
غلطاں	لڑھکتا ہوا۔ لوٹتا ہوا
غلغلہ	شور، دھوم
غِلمان	غلام کی جمع۔ جنت کے پیش خدمت لڑکے۔
غمزہ	آنکھ یا ابرو کا اشارہ
غنیم	دشمن
غوّاص	غوطہ خور

ف، ق

فاحشہ	بدکار عورت
فال	شگون
فراخور	لائق، مناسب
فراغ	فرصت، چھٹی، آرام
فرحاں	خوش
فرح ناک	فرحت بخش
فریدوں	فارس کے ایک بادشاہ کا نام جس نے ضحاک پر فتح پائی تھی۔
فریفتہ	عاشق
فُسحت	کشادگی، فراخی
فقیہہ	مسائل دینی یا علم فقہ کا جاننے والا
فگار	زخمی

فی زمانِنا	ہمارے زمانے میں
فیلسوف	عقل مند، حکیم، مگر یہاں مکّار چالاک مراد ہے۔
قانُون	قاعدہ، اصل
قباد	شاہانِ کیانی میں سے ایک بادشاہ کا نام ہے جو بادشاہِ نوشیرواں اور آلِ ساسان میں سے تھا۔
قُبح	عیب
قبیح	بدصورت، بُرا
قِدر انداز	نشانہ باز
قِران السعدین	دو سعد ستاروں کا ایک برج میں اکٹھا ہونا کہ ان کی سعادت دوبالا ہو جائے۔
قُرۃ العین	آنکھ کی ٹھنڈک
قِرطاس	کاغذ
قصص	قصّہ کی جمع
قضا و قدر	حکم اور اندازہ یعنی حکمِ خدا
قطع دار	خوب صُورت، خوش نما
قُم باذنی	"میری آواز کے ساتھ کھڑا ہو جا۔" یہ کہہ کر حضرت موسیٰ مردوں میں جان ڈال دیتے تھے۔
قیاس	اندازہ، قاعدہ، قانون

ک

کاج	کام
کاجل پارنا	چراغ کی لو پر مٹی کا برتن رکھ کر کاجل اکٹھا کرنا۔
کاربستہ	رکا ہوا کام۔ اٹکا ہوا کام۔
کاسِد	جھوٹا، کھوٹا۔
کاسہ	پیالہ
کاشانہ	گھر
کام	تالو، منہ
کاؤس	کیکاؤس۔ ایران کا ایک مشہور بادشاہ۔ رستم اسی کا ملازم تھا
کاہ	تنکا، گھاس
کاہش	کمی، گھٹنا، صدمہ
کاہیدہ	کمزور، گھٹا ہوا
کبیدہ	رنجیدہ، ملول
کتھک	ایک رقص کا نام
کج بحثی	نامعقول بحث
کرّوبی	فرشتہ
کرّوفر	شان وشوکت
کرۂ نار	سب سے اونچا آسمان جس کی نسبت قدما کا خیال تھا کہ وہاں خالص آگ رہتی ہے۔
کریم النفس	شریف طبیعت

کریہہ	بدشکل، مکروہ
کسگر	کاسہ گر کا مخفف، کمہار
کسل	تکان، کاہلی، سستی۔
کشاں	کھینچنے والا۔
کشتنی	مار ڈالنے کے لائق۔
کشورستانی	ملک کو فتح کرنا
کلابتوں	وہ تاگا جس پر چاندی یا سونے کے تار لپیٹے ہوں۔
کلاوت	گویا
کلبہ	کوٹھری، حجرہ، گوشہ
کلچہ	میدے کی ایک قسم کی روٹی جو تندور میں پکائی جاتی ہے۔
کلنکن	بدنام، بدکار عورت۔
کلیس	کلیش، تکلیف، دکھ
کمپا	لاسا لگی ہوئی چھڑی یا بانس جس سے پرندوں کو پکڑتے ہیں۔
کمخواب	ایک قیمتی کپڑا
کنار	آغوش
کنجڑن	ترکاری بیچنے والی عورت
کنجشک	گوریا
کندن	نبت کاری۔ خالص سونا، نہایت چمکدار۔
کنعان	فلسطین۔ جہاں حضرت یوسف پیدا ہوئے۔

کنگرہ (کنگورا)	وہ طاق نما ڈیزائن جو شہر کی فصیل قلعہ کی دیوار یا دیگر عمارتوں میں خوب صورتی کے لئے بنا دیتے ہیں
کور باطن	باطن کے اندھے ،
کورنش	جھک کر سلام کرنا
کور نمک	نمک حرام
کورہ آہنگراں	لوہار کی بھٹی
کوس لمن الملک	کس کا ملک۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا کہ آج ملک کس کا ہے پھر خود ہی جواب دے گا للہ الواحد القہار ہے یعنی اس خدائے واحد کا جو قہار ہے۔
کوکب ستارہ	
کونڈے بھرنا	کسی ولی یا بزرگ کے نام کی نیاز جو مٹی کی کونڈوں میں شیرینی بھر کر دلائی جائے۔
کہربا	ایک زرد مہرہ جسے کپڑے یا چمڑے پر رگڑ کر گھاس کے تنکے کے سامنے لائیں تو وہ مقناطیس کی طرح اسے اٹھا لیتا ہے۔
کہ و مہ	چھوٹے بڑے۔
کھاجا	خوراک
کھڑا دونا	مولا مشکل کشا کے نام کی نذر جو مراد پوری ہونے پر ہاتھ میں دونا لے کر دی جاتی ہے اور کھڑے کھڑے کھائی جاتی ہے۔
کھجلا	ایک قسم کی مٹھائی۔
کھڑچ	حجت
کھنڈری	کھٹولا
کھندل ڈالنا	پامال کرنا
کھیت کرنا	اگنا، نکلنا، نمودار ہونا
کھلارن	تجربے کار عورت، اوباش۔
کیکڑا	پانی کا ایک جانور، سرطان
کیوان	سیارہ زحل جو ساتویں آسمان پر مانا جاتا ہے۔

گ

گام	قدم
گاوزیں	وہ دیو مالائی گائے جو زمین کو اپنے سینگوں پر اٹھائے ہوئے ہے اور خود مچھلی کی پشت پر کھڑی ہے۔
گجر	گھنٹہ۔
گربہ	بلی
گردن زدنی	گردن اڑا دینے کے قابل، قتل کیے جانے کے قابل۔
گردوں بارگاہ	آسمان جیسی بارگاہ رکھنے والا، بلند مرتبہ والا۔
گردوں وقار	آسمان جیسا مرتبہ رکھنے والا۔ بلند مرتبہ

گِرَہ	ستارہ
گِرہ کشاہ	گِرہ کھولنے والا۔ مشکل حل کرنے والا۔
گُزری	گُدڑی بازار
گزک	وہ نمکین چیز جو شراب کے ساتھ کھائی جائے۔
گُسّاں (گسائیں)	پرماتما، خُدا
گُلبدن	پھول جیسے جسم والا۔ نازک اندام
گُن	علم، ہُنر
گنج	خزانہ۔ یہاں مراد محلہ آباد ہونے سے ہے۔
گنجینہ	خزانہ
گوسالہ	گائے کا بچھڑا۔ حضرت موسیٰ کے زمانے میں سامری جادوگر نے گائے کا ایک بچھڑا بنایا تھا جو بولتا تھا۔
گوگرد	گندھک۔
گولہ انداز	گولہ پھینکنے والا۔
گویا	بولتا ہوا
گھوارہ	پالنا۔ ہنڈولا
گھامڑ	بے وقوف
گھُسائی	کھوٹ کرنا، کمینہ پن کرنا۔
گیانی	عالم۔

گیدڑ بھبھکی	جھوٹ موٹ ڈرانا۔

ل

لاب (لابھ)	فائدہ
لاریب	بیشک
لاف گزاف	شیخی، ڈینگ
لاسہ	ایک لیسدار مادّہ جو پودوں سے حاصل کیا جاتا ہے اور کسی چیز پر لگا کر پرندے پکڑنے کے کام میں لیا جاتا ہے
لاشریک لہٗ	جس کا کوئی شریک نہ ہو۔ خُدا
لاطائل	بے ہودہ، بے کار
لافتیٰ	اختصار ہے، لَافتیٰ اِلّا علی لا سیف اِلّا ذوالفقار (علی کے علاوہ کوئی جوان (بہادر) نہیں اور ذوالفقار کے علاوہ کوئی تلوار تلوار کہے جانے کے مستحق نہیں۔
لالے	گُل لالہ جس سے افیون حاصل کی جاتی ہے۔
لتّے	چیتھڑے۔ پھٹے کپڑے
لُجہ	بھنور، منجدھار
لچر	حقیر، ذلیل
لَحمُکَ لَحمِی وَدَمُکَ دَمِی وَعَلِیٌ مِنِّی وَ اَنَا مِنہُ	تیرا گوشت میرا گوشت ہے اور تیرا خون میرا خون، علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔

لخلخہ	ایک خوشبودار مرکّب جو تقویت دماغ کے لیے اور بے ہوشی سے ہوش میں لانے کے لیے مریضوں کو سنگھایا جاتا ہے۔
لطائف الحیل	عمدہ حیلے، خوب صورت بہانے
لُعبت	گڑیا یعنی معشوقہ
لق و دق	چٹیل (میدان) سنسان، ویران
لو بھی	لالچی
لولی چرخ	رقاصۂ فلک مراد ہے ستارۂ زہرہ سے جسے ناہید بھی کہتے ہیں آسمان کی معشوقہ یعنی زہرا۔

م

مادر بہ خطا	(ماں کی گالی) حرام زادہ
مَاعَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ	ہم نے تجھ کو نہیں پہچانا جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے۔
مان	عزّت، رتبہ
مانع	منع کرنے والا، روکنے والا۔
مانی	روم کا ایک نقاش جس نے نبوت کا دعوا کیا تھا اور نقاشی کو اپنا معجزہ بتایا تھا۔ تصویروں کا مرقع ارژنگ یا ارتنگ اسی کی تصنیف ہے
مَبادا	خدا نہ کرے، ایسا نہ ہو
مبتدی	شروع کرنے والا۔ نومشق، نوآموز

مُبدّل	بدلا ہوا
مُتردّد	فکر مند
مُتّصِل	لگاتار، برابر، ملا ہوا
متوحش	وحشت اختیار کرنے والا، وحشت زدہ۔
مَثَلُ اَہلِ بَیتِی کَمَثَلِ سَفِینَۃِ نُوحٍ مَن رَکِبَھَا نَجیٰ وَمَن تَخَلَّفَ عَنہَا غَرِقَ	میرے اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جس نے مخالفت کی وہ ڈوبا۔
دُھوئی	
مُجرا	سلام
مجوز ہونا	تجویز کرنا، اصرار کرنا، مُصِر ہونا۔
مجیب الدعوات	دعاؤں کو قبول کرنے والا یعنی خدا۔
مُچھندر	بڑی بڑی مونچھوں والا۔ بندر نچا کر معاش پیدا کرنے والا۔ مجازاً امرد بے ہودہ، مسخرہ
محبس	قید خانہ، زندان
محجوب	شرمندہ
مداریہ	ایک قسم کا نیچوان حقہ، گڑگڑی
مِرآت	آئینہ
مراجعت	واپسی، لوٹنا
مُربھُکی	بھوک کی ماری ہوئی
مرحبا	(کلمۂ تحسین) شاباش، آفریں، صد رحمت۔

مردک	مرد کی تصغیر، حقیر، ذلیل	مفقود الخبر	گم شدہ۔ جس کے بارے میں کچھ نہ معلوم ہو۔
مرغوبہ	پسندیدہ	مقناطیس	چمنک، ایک قسم کا پتھر جو لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔
مزرعہ	کھیت	مقنعہ	نقاب، چادر
مُژدہ	خوش خبری	مُکدّر	غبار آلود، میلا، رنجیدہ
مُساعدت	موافقت، سازگاری	مُکرّر	دوبارہ
مستعار	مانگا ہوا، اُدھار لیا ہوا	مُکلّف	پُر تکلف، سجا ہوا۔
مُستعِد	تیار، آمادہ	مگہی	مگدھ سے منسوب جہاں کا پان بہت مشہور ہے۔
مُسکِنِ التہابِ قلب	دِل کی گرمی کو سکون پہنچانے والا	مُلبّب	لبالب، لب تک بھرا ہوا
مُشاطہ	سنگھار کرنے والی عورت۔	ملیچھ	میلا، غلیظ جنگلی آدمی، وحشی آدمی
مشّاق	مشق کرنے والا۔ ماہر	مُمِد	مددگار، معاون، ساتھی
مشام	دماغ، سونگھنے کی قوت	منجے	ہار گئے
مشاہدہ	دیکھنا	منحرِف	اِنحراف کرنے والا، پھرنے والا
مشتری	ایک ستارے کا نام جو سعد مانا جاتا ہے	مُنحنی	دُبلا پتلا
مُشتعِل	غصّے میں بھرا ہوا۔	مُنفعل	شرمندہ
مُصفّا	صاف و پاکیزہ	مِنقار	چونچ
مُطلّا	جس پر سونے کا کام کیا گیا ہو	مَنقبت	تعریف، بزرگی
مُظلمہ	سِتم، ظلم، بے انصافی	مَنکھ (منشیہ)	آدمی
معرکہ	جنگ۔ میدانِ جنگ	منہدم	مسمار، گرا ہوا، ویران
مُعلّق	لٹکا ہوا	مواخذہ	جوابِ طلبی، بازپرس، پوچھ تاچھ
معمور	بسا ہوا۔ آباد۔ بھرا ہوا	مودّت	دوستی، محبت۔
مُغرّق	جڑاؤ۔ ڈوبا ہوا		
مفت	مفت ہی		
مَفر	بھاگنا۔ جائے فرار		

مَوقوف	ٹھہرا ہوا، ملتوی کیا ہوا
موہری	نالی، موری
موہن بھوگ	ایک مٹھائی کا نام
مہنت پن	جوگیوں کے سردار جیسا حلیہ
مہاجرت	ہجرت کرنا، ایک جگہ کو چھوڑ کر دوسری جگہ جا بسنا۔
مہد	پالنا، گہوارہ
مہ رُو	چاند سے چہرے والی
مَہوبہ	ضلع ہمیر پور میں ایک تحصیل کا نام جہاں کا پان بہت مشہور ہے
مُہیب	خوفناک۔ بھیانک
مینوسواد	بہشت جیسا۔

ن

نابکار	نکما، ناکارہ
ناتراش	بغیر تراشا ہوا لکڑی یا پتھر کا ٹکڑا مراد غیر مہذب و ناتربیت یافتہ
نادرُالزّماں	زمانے میں کم یاب
نارتول	ہریانہ کا ایک شہر جہاں کی مہندی مشہور رہے۔
ناشکیب	بے قرار، بے صبر
نافرجام	بداصل، بدانجام، نامبارک، منحوس
نافرمان	سُرخی مائل اودے رنگ کا لالے کا پھول
نالہ	فریاد، واویلا
نالۂ شبگیر	پچھلے رات کی گریہ وزاری
ناہنجار	بدذات، بداصل
نائرہ	شعلہ
نایک	علم موسیقی کا ماہر، اُستاد
نجیب الطرفین	صحیح النسب، جو ماں اور باپ دونوں کی طرف سے شریف ہو۔
نِرا	بالکل، ایک دم
نرسنگھا	ایک طرح کا باجا جو سینگ سے بنتا ہے۔ ترہی، بگل۔
نریمان	رستم کے پردادا کا نام
نژاد	نسل
نَسَب	سلسلہ، خاندان، باپ کی طرف سے نسبت
نصوحا	نصوح، صاف، خالص، سچی توبہ جو توڑی نہ جائے۔ (توبہ کے لئے مخصوص ہے)
نفریں	لعنت، ملامت
نقشِ سلیمانی	حضرت سلیمان کا تعویذ
نُقل	شکر اور میدے کے لڈو جو شادیوں میں رائج ہیں۔
نل دمن	راجہ نل اور رانی دمینتی دو عاشق اور معشوق تھے جن کا قصہ ہندوستان کے مشہور قصوں میں سے ہے۔ فیضی نے اسی کو نظم کیا ہے۔
نَمَش	دودھ کا جھاگ جس میں مصری یا شکر ملاتے ہیں۔

نمط	طرح، طور، طریقہ
ننگ	عار، شرم
نواح	آس پاس، اطراف
نوبارہ	نیا پودا، نیا میوہ
نوخاستہ	تازہ اُگا ہوا
نودمیدہ	تازہ کھلا ہوا یعنی نوعمر
نورٌ علیٰ نور	انتہائی روشن
نوک چوک	(نوک جھونک) چھیڑ چھاڑ، شوخی
نیّر	سورج
نیستاں	جنگل
و	
واچھڑے	(کلمۂ تعریف) کیا کہنا۔ بہت خوب سُبحان اللہ
واژوں	اوندھا، منحوس
وافر	بہت زیادہ، کثیر
والامرتبت	بلند رتبے والا
والہ	دیوانہ، بے چین
واہی	بے ہودہ
وحدہٗ لاشریک	وہ ہستیٔ واحد جس کا کوئی شریک نہیں۔ یعنی خدا۔
وُرُود	اُترنا، نازل ہونا
وسواس	سوچ بچار، اندیشہ، وہم
وصلی	دو کاغذوں کو باہم وصل

	کرکے (چپکاکر) تیار کیا ہوا کاغذ جس پر خوش نویس لکھنے کی مشق کرتے ہیں۔
ہ	
ہاروت ماروت	دو فرشتوں کے نام جو چاہِ بابل میں لٹکے ہوئے ہیں اور جو کوئی ان سے جادو سیکھنے جاتا ہے اسے سکھاتے ہیں۔
ہامُون	جنگل، بیابان، ریگستان۔
ہتک	بے عزّتی، توہین
ہِتی	دوست، آشنا، بہی خواہ
ہتّے مارنا	بڑھ بڑھ کے ہاتھ مارنا۔ خوب سیر ہو کر کھانا۔
ہدف	نشانہ
ہرکارہ	اردلی، ڈاکیہ
ہِزَبر	شیر
ہفتمیں	ساتواں
ہفت ہزاری	بادشاہوں کی طرف سے عطا کیا ہوا سب سے بڑا منصب جس کی تنخواہ کئی لاکھ روپے ہوتی تھی۔
ھَل اَتٰی	اختصار ہے۔ سورۃ ھَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّھْرِ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا مَّذْکُوْرًا۔ (بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا بھی وقت آچکا ہے جس میں کوئی چیز قابلِ ذکر نہ تھی۔)

ہم خرما وہم ثواب	چھوہارے بھی اور ثواب بھی، وہ کام جس میں لذت بھی حاصل ہو اور ثواب بھی ملے۔	ہیچ مداں	(کلمۂ انکسار) جسے کسی چیز کا علم نہ ہو
		ہیچ میرز	بے حقیقت، بے مایہ، جس کی کوئی قیمت نہ ہو۔
ہم قران	ستاروں کا یکجا ہونا۔ یہاں مراد شادی سے ہے	ہیبن	سُبکی، توہین، تذلیل، نیچا دکھانا۔
		یاقوتی	ایک مقوّی، بیش قیمت دوا۔
ہمکنار	ہم آغوش، بغل گیر۔	یشب	سبز رنگ کا ایک قیمتی پتھر۔
ہم داں	سب کچھ جاننے والا	یکہ تاز	تنہا حملہ کرنے والا، بہادر
ہندی کی چندی کرنا	بال کی کھال نکالنا	یمن	ایک شہر کا نام جہاں کے عقیق مشہور ہوتے ہیں۔
ہوا	آرزو، خواہش		
ہوادار	امیروں کی ایک خاص قسم کی سواری جسے کہار اُٹھاتے ہیں۔		
ہیئت کذائی	موجودہ حالت، صورت حال، عموماً بُری ہیئت مراد لیتے ہیں، بگڑی ہوئی صورت		

اترپردیش اردو اکادمی

سے شائع ہونے والے دو جریدے

دوماہی ادبی و تحقیقی مجلّہ

اکادمی

قیمت فی شمارہ ۸/روپے زرسالانہ ۴۰/روپے

اکادمی اور اردو دنیا کی خبروں کا ترجمان

ماہنامہ

خبرنامہ

قیمت فی شمارہ: ایک روپیہ زرسالانہ ۱۰/روپے

رجوع کریں

سکریٹری، اترپردیش اردو اکادمی، وبھوتی کھنڈ گومتی نگر لکھنؤ

۲۲۶۰۱۰

INTIKHAAB
FASANA-E-AJAAEB

Rs. 27/-

PRINTED AT :-
NORTHERN OFFSET PRESS, MOHAAN ROAD, LUCKNOW
Ph. No. 0522-2419790, 3107131